تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

ماہنامہ

الفرقان

ربوہ

سیرت خیر البشر نمبر

جنوری، فروری سنہ ۱۹۶۰ء

سالانہ قیمت

پانچ روپے

ایڈیٹر :

ابو العطاء جالندھری

قیمت پرچہ ھذا ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

روزنامہ الفضل ربوہ

الفضل جماعت احمدیہ کا ترجمان ہے۔ جماعت احمدیہ ایک تبلیغی اور علمی جماعت ہے اسکی اشاعت اسلام کے متعلق کوششیں دُنیا کے کونے کونے میں پھیل رہی ہیں۔ روزنامہ الفضل کے ذریعہ علمی اور تربیتی قیمتی عالمانہ مقالات کے علاوہ اسلام کی ترقی کے متعلق جملہ خبریں بھی اشاعت پذیر ہوتی ہیں اور دُنیا کے مختلف ممالک میں اسلام کے مجاہدین کی کامیابیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ مخالفین اسلام کے غلط اعتراضات کی مدلّل تردید کی جاتی ہے سلسلہ احمدیہ کی تنظیم اور تحریکات کا علم بھی اس روزنامہ سے ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس روزنامہ کے ذریعہ سے حضرت امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے خطبات جمعہ اور دیگر لیکچر پورے انتظام کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔ ملکی تحریکات اور دُنیا بھر کی اہم خبریں بھی اشاعت پذیر ہوتی ہیں۔

الغرض روزنامہ الفضل ایک بے نظیر روزنامہ ہے۔ دینی اور دُنیوی خبروں کا خزانہ ہے۔ بنا بریں اس اخبار کی خریداری میں سراسر نفع ہے۔

(مینیجر روزنامہ الفضل ربوہ۔ پاکستان)

جلد ۱۰ نمبر ۱-۲

الفرقان

ربوہ - پاکستان

جنوری؛ فروری سنہ ۱۹۶۰ء

سیرۃ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نمبر

نمبر شمار	مقالات	مضمون نگار	نمبر صفحہ
۱	حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بے مثال امتیاز	ایڈیٹر	۲
۲	حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری / آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری	سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے	۳
۳	رحمۃ للعالمینؐ کا اعلیٰ مقام	محترم جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب	۵
۴	رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم	سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے ایک دیرینہ مقالہ سے	۱۰
۵	مومنوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبانہ و مشفقانہ سلوک	جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس فاضل	۱۷
۶	رحمۃ للعالمینؐ غیروں کی نظر میں	مکرم الحاج مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل سابق مبلغ افریقہ	۲۲
۷	نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (نظم)	جناب مولوی مصلح الدین صاحب مرحوم	۲۵
۸	تیرے ہی جام سے ملتی ہے حیاتِ دائم (نظم)	جناب مولانا ظفر محمد صاحب ظفر فاضل	۲۶
۹	غزوات النبیؐ میں اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا ظہور (نظم)	حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل	۲۷
۱۰	آپ ہیں سب کے نیرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم (نظم)	جناب قیس مینائی صاحب کراچی	۲۹
۱۱	صلّ علیٰ محمدٍ (فارسی نظم)	جناب قاضی محمد یوسف صاحب ہوتی مردان	۳۰
۱۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی و خارجی مشکلات	جناب شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ بلادِ عربیہ	۴۳
۱۳	مکارمِ اخلاق کی تکمیل کی ایک جھلک	جناب مولوی عبد الباسط صاحب مربی کراچی	۴۷
۱۴	نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر مرحوم	۴۹
۱۵	ہمارا پیارا نبیؐ	جناب نواب محمد عبد اللہ خان صاحب آف مالیرکوٹلہ	۵۱
۱۶	انوارِ مدینہ (نظم)	جناب شیخ عبد الحکیم صاحب شملوی	۵۲
۱۷	رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوتِ احیاء	جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب نعیم	۵۳
۱۸	رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی اور آپ کے اخلاق (مشہور مستشرق سٹینلے لین پول کے مقالہ کا اردو ترجمہ)	جناب چودھری محمد شریف صاحب خالد ایم۔اے۔ایل ایل۔بی	۵۷

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بے مثال امتیاز

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

(۱) محمدؐ ایک پاکیزہ اور دلربا نام ہے جس کے معنے قابلِ تعریف، لائقِ ستائش اور مستحقِ مدح کے ہیں۔ وہ وجود جس کی تعریف ہر زمانہ میں اور ہر کون و مکان میں کی جائے محمدؐ ہے۔ گویا یہ نام ہی ایسا مبارک ہے کہ اسکے ساتھ کسی بدی، برائی اور عیب کو منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اہلِ عرب اس مبارک نام کی اس خصوصیت کو خوب جانتے تھے اسلئے مشرکینِ مکہ جب آپؐ کو گالیاں دینا چاہتے تو لفظ محمدؐ کا استعمال نہ کرتے بلکہ اس کی بجائے لفظ مذمم کہکر گالیاں دیتے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

کیف صرف اللہ عنی شتم قریش ھم یشتمون مذمماً وانا محمد۔

کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مجھے قریش کی گالیوں سے بچا رکھا ہے وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور میں تو محمدؐ ہوں۔

اسم محمدؐ کا یہ کمال ہے کہ حقیقتاً اسے برا کہا ہی نہیں جاسکتا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) ہمارے آقا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ آپؐ کے جملہ کام دوستوں اور دشمنوں کے سامنے ہیں۔ کسی اور نبی کی زندگی ایسی تاریخی نہیں جیسی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تاریخی ہے۔ آپؐ انسانی زندگی کے تمام ادوار میں سے اس خوبی اور اس کمال سے گذرے ہیں اور ہر کام کو اس حسن، خوبصورتی اور دلکشی سے ادا فرمایا ہے کہ دل عش عش کر اٹھتا ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ شادی اور روحانیت میں منافات ہے، جنگ ایک گھناؤنی چیز ہے۔ دشمنوں سے معاہدات نبھانا ایک ناممکن کام ہے۔ اپنوں اور بیگانوں میں عدل و انصاف کرنے کے امتحان میں نہ پڑنا چاہیئے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام کٹھن مراحل میں سے گذرے اور انسانیت کو ایسا کامل نمونہ دیتے ہوئے گذرے کہ آنکھیں خیرہ اور دل حیران و ششدر ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ خاصہ اور امتیاز ہے کہ سراسر اچھے سمجھے جانیوالے کاموں میں بھی آپ انتہائی عروج پر تھے جیسا کہ مثلاً اللہ تعالیٰ کی محبت اور عبادت ہے۔ مگر اس کے ساتھ آپؐ نے زندگی کے کٹھن ترین اور بظاہر گھناؤنے قرار پانے والے لابدی کاموں کے حسین و جمیل پہلوؤں کو بھی اس خوبی سے اُجاگر کیا ہے کہ انسان اور فرشتے اس اسوۂ کامل کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ محمدی زندگی کی روشنی میں شادی ایک مقدس فریضہ اور روحانیت کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ جنگ جب ناگزیر ہو تو اسلامی اصولوں اور مصطفوی نمونہ کے ماتحت خدا کے قرب کے پانے کا قریب ترین ذریعہ ہے۔ صلح ہو یا جنگ ہو معاہدات ہر حالت میں واجب الاتباع ہیں۔ عدل و انصاف کا قیام ہر موقعہ پر لازمی ہے۔ الغرض محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے تمام کاموں کو قابلِ تعریف بنا دیا۔ اور سراسر سزاوارِ ستائش زندگی بسر کرکے دکھا دی اور کڑے امتحانوں میں پڑنے کے باوجود وہ اعلیٰ، بے نظیر اور بے مثال نمونہ قائم فرمایا کہ بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ؎

محمدؐ ہی نام اور محمد ہی کام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

(ابو العطاء جالندھری ۱۸؍ جنوری سنہ ۱۹۶۰ء)

حسنِ یوسف یدِ موسیٰ دمِ عیسیٰ داری
آں کہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری[1]

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے مدظلہ العالی کے قلم سے)

حضرت فخرِ رسل سیّد وُلدِ آدم خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی طور پر بلند و بالا شخصیت اور آپ کے افاضۂ رُوحانی کی کثرت اور فراوانی اس قدر نمایاں اور ممتاز ہے کہ کوئی غیر متعصب شخص جس کے دل میں قدر شناسی کا جوہر موجود ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ خدا کے فضل سے سارے انبیاء کرام ہی اپنی اپنی جگہ آسمانِ ہدایت پر ستاروں کی طرح چمکتے ہیں اور بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام "ما ہمہ پیغمبراں راچاکریم"! مگر حق یہ ہے کہ حضرت سرورِ کائنات کی آفتابی روشنی کے سامنے ہر دوسری روشنی ماند پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور آپ کو یہ امتیاز دو جہت سے حاصل ہے۔ اوّل یہ کہ آپ ہر رُوحانی کمال میں ہر دوسرے نبی سے افضل وارفع ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ آپ کی روحانی تاثیر اور آپ کا افاضہ تمام نبیوں کے افاضہ سے وسیع تر اور قوی تر ہے۔ اور آپ کو خدا نے زندگی بھی ایسی عطا کی جس میں آپ کو اپنے ہر فطری جوہر کو بصورتِ کمال دکھانے کا موقعہ میسر آیا۔ اور یہی اس شعر کا مطلب ہے جو میرے اس مختصر نوٹ کا عنوان ہے۔ آپ کو یوسفؑ کا حسن حاصل ہے مگر اپنی دلکشی میں یوسفؑ سے بڑھ کر۔ آپ کو موسیٰؑ کا یدِ بیضا حاصل ہے مگر بدخواہ دشمنوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے میں موسیٰؑ سے بڑھ کر۔ آپ کو عیسیٰؑ کا دمِ شفا حاصل تھا مگر بیماروں کو شفا دینے میں عیسیٰؑ سے بڑھ کر۔ اسی لئے آپ خاتم النبیّین کے جلیل القدر اور عدیم المثال مقام پر فائز کئے گئے۔ اور اپنے رُوحانی معراج

[1] میں نے اس شعر میں دانستہ کچھ تصرّف کیا ہے ؛

یعنی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جس تک کسی انسان اور کسی فرشتہ کی پہنچ نہیں۔ اور آپؐ کو افاضہ بھی وہ عطا ہوا کہ آپؐ کی سچی پیروی انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ انعام بخشنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعودؑ بانئے سلسلہ احمدیہ نے آپؐ کے متعلق فرمایا ہے کہ:-

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا | نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر | لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلے تو رہ میں ہارے پار اس نے ہیں اتارے | میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے

لاریب اس زمانہ میں اور اس کے بعد قیامت تک بنی نوع انسان کے لئے اب صرف آپؐ ہی ایک ناخدا ہیں جن کی کشتی میں بیٹھ کر انسان خدا کے دربار تک رسائی حاصل کر سکتا ہے یا وہ ہے جس نے آپؐ کے فیض سے فیض پایا ہو۔ باقی سب تاریکی ہے اور ان کے پیچھے لگ کر رستہ میں ہارنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ و بارک و سلّم (یا ایّھا الّذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماً)۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد

ربوہ

۱۲؍ جنوری ۱۹۶۰ء

رحمۃ للعالمین کا اعلیٰ مقام

(از قلم محترم جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب نائب صدر عالمی عدالت ہیگ)

میرے محترم استاذی المکرم مولٰنا ابو العطاء صاحب نے باصرار ارشاد فرمایا ہے کہ میں کچھ نہ کچھ سیرۃ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر گذارش کروں۔ میں اپنی بے مائیگی اور تنگیٔ ظرف کے احساس سے شرمندہ اور پریشان ہوں کہ اس پاک ترین موضوع پر میں کیسے قلم اٹھانے کی جرأت کروں لیکن تعمیلِ ارشاد لازم ہے اور بہر صورت طمعِ ثواب غالب۔ مولٰنا صاحب موصوف کے ارشاد کے وقت ہی مجھے کچھ تکلیف تھی چند گھنٹوں کے اندر ہی وہ اس قدر بڑھ گئی کہ عزیز مکرم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے ہدایت فرمائی کہ کم سے کم دو دن بستر میں رہوں۔ اِدھر مولٰنا صاحب موصوف کا ارشاد ہے کہ جلد سے جلد مضمون اُن کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اِن حالات میں میرے ایک اور ویسے ہی کرمفرما استاذی المکرم مولانا ابو المنیر نور الحق صاحب اِس بات پر رضامند ہو گئے ہیں کہ میں جو کچھ کہتا جاؤں وہ اسے ضبطِ تحریر میں لے آئیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ چنانچہ یہ مختصر مقالہ پیش ہے۔

ظفر اللہ خاں ۱۲/۱/۷۰

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح شان تو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ؎

شانِ احمد را کہ داند جز خداوند کریم
آں چناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

انبیاء اور رسل اللہ تعالےٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی نگرانی میں پرورش پاتے ہیں۔ پھر اس رسول ذی شان اور ذی مرتبت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کیا کہنا جو زمرۂ انبیاء علیہم السلام میں اَحَدْ یعنی یکتا اور یگانہ ہیں۔ فداہ ابی و امی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور توصیف خود مادح کے لئے تو باعثِ فخر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کسی فخر کا باعث نہیں۔

او چہ حمید احمد بمدح کس نیاز
مدحِ او خود فخر ہر مدحت گرے
ہست او در روضۂ قدس و جلال
وز خیالِ مادحاں بالا ترے

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی مقام صرف اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے۔ تو جو کچھ اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کی توصیف میں فرمایا اس سے بڑھ کر اور کوئی موزوں توصیف حضورؐ کی نہیں ہو سکتی۔ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ واتّخذ اللہ

ابراھیم خلیلاً[1] یعنی اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا دلی دوست بنا لیا۔ بادی النظر میں اس سے بڑھ کر اور کیا مقام ہو سکتا ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضورؐ کا مقام محبوبیت کا ہے۔ اور فقط یہی نہیں کہ حضورؐ محبوب الٰہی ہیں بلکہ حضورؐ کی قوّتِ قدسیہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بناتی رہتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے قل اِن کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ یعنی اے رسول! تو مومنوں سے کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتے ہو اور تمہیں یہ تڑپ ہے کہ اللہ تعالےٰ تم سے محبت کرے تو تم میرے نقشِ قدم پر چلو۔ تم خدا تعالےٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ حضورؐ اللہ تعالےٰ کے کامل عبد تھے یعنی تخلّقوا باخلاق اللہ کا کامل نمونہ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے کامل مظہر تھے۔ پھر جو بھی حضور کی کامل اتباع کرے گا۔ یعنی حضورؐ کے اخلاق اور حضورؐ کی سیرۃ کا پورا عکس اپنے اندر لے لیگا وہ بھی علیٰ قدرِ مراتب اللہ تعالےٰ کی محبوبیت کے مقام پر پہنچ جائے گا۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں واضح فرما دیا ہے کہ یہ مقام حضورؐ کو اس طور پر نصیب ہوا کہ حضور کی عبادتیں اور قربانیاں اور ہر سکون و حرکت خالصۃً اللہ تعالےٰ کی خاطر ہو چکی تھیں۔ چنانچہ آیت قُل اِنَّ صلوٰتی و نُسُکی و محیایَ و مماتی للہ ربّ العٰلمین وبذالک اُمرتُ و اَنَا اوّل المسلمین[2] اس امر پر واضح دلیل ہے۔ اور حضورؐ اس محویت کا کامل انسانی نمونہ تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کی بہت سی تشریح قرآن کریم میں آتی ہے جس کی تفصیل بیان کرنے کا میں اہل بھی نہیں اور یہاں اس کی گنجائش بھی نہیں۔

اس مقام کو اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام مجید میں تمثیلی طور پر یوں بیان فرمایا ہے۔ دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے اس قدر نزدیک ہوئے اور اللہ تعالےٰ خود آپؐ کے اس قدر قریب ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارادے اور تمام خواہشیں اور تمام خیالات اور تمام اعمال کلّی طور پر اللہ تعالےٰ کی صفات کے ماتحت آگئے اور سرِمُو تفاوت اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضورؐ کی مرضی میں نہ رہا اور وہ کیفیت ہو گئی جس کو آیت مذکورہ بالا میں بیان کیا گیا ہے کہ دو کمانوں کا ایک ہی وتر ہو گیا۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ اس کیفیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ مارمیتَ اِذ رمیتَ ولکنّ اللہ رمٰی[3] اور ید اللہ فوق ایدیھم[4]۔ اور مومنوں کو بھی حضورؐ کے اس مقام سے اس طور پر حصّہ دیا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ فلم تقتلوھم ولکنّ اللہ قتلھم (انفال)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت اپنے کلام پاک میں دی ہے کہ انّک لعلیٰ خُلُقٍ عظیم[5]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کانَ خُلُقُہ کلّہ القرآن۔ یعنی حضورؐ کا خلق عین قرآن کریم کے مطابق تھا۔ گویا تمام وہ خوبیاں جن کی قرآن کریم تلقین فرماتا ہے حضورؐ کی ذات بابرکات میں بدرجہ اتم جمع تھیں اور ہر وہ عیب یا نقص جس سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے یا جس کی طرف کلام مجید نے توجہ دلائی ہے حضورؐ کی ذات پاک کلّی طور پر ان سے منزّہ تھی۔

اللہ تعالےٰ کا کسی انسان کے خلق کو سراہنا اپنے اندر ایک بہت بڑی شہادت ہے لیکن اس اخلاقی مرتبہ کا اندازہ کونسی انسانی عقل اور کونسا انسانی واہمہ کر سکتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تو خلق عظیم پر قائم ہے۔ جو مرتبہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک عظیم ہے وہ انسانی عقل و خیال کی حدود سے کہیں دور اور بلند تر ہی ہوگا۔ تبھی تو

---

[1] النساء: ۱۲۵ [2] الانعام: ۱۶۲-۱۶۳ [3] الانفال: ۱۷ [4] الفتح: ۱۰ [5] القلم ۴

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر[1] انسانی پیدائش کی غرض اور مقصد لقاء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا حاصل ہو جانا بیان فرمائی گئی ہے۔ اس کے حصول کا آسان اور سہل طریق اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ہر مومن جو اللہ تعالیٰ کی رویتِ کاملہ کا خواہشمند ہے اور آئیندہ کی زندگی کا کمال حاصل کرنا چاہتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کو پختہ طور پر اپنے لئے مشعلِ راہ قرار دے۔ اور حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بڑی محبت سے فرمایا ہے۔ اِنَّ ابراھیم لاوّاہٌ حلیمٌ[2]۔ یعنی ہمارا بندہ ابراہیمؑ نہایت دردمند اور نرم دل رکھنے والا تھا لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس سے بھی بڑھ کر فرمایا۔ عزیزٌ علیہ ما عنتّم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤفٌ رحیمٌ[3]۔ یعنی بہت ہی دوبھر گذرتا ہے ہمارے اس رسول کے دل پر کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ یعنی تمہاری چھوٹی سے چھوٹی تکلیف اسے بے چین کر دیتی ہے اور وہ تمہاری فلاح اور بہبودی کے لئے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ اور مومنوں کے متعلق ہمارا یہ رسول نہایت ہی نرم دل رکھنے والا اور خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیت کا مظہر ہے۔ ※

کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے شک مومنین پر حجت ہے لیکن غیر مسلموں پر حجت نہیں۔ کیونکہ غیر مسلم قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم نہیں کرتے۔

اس کا جواب اوّل تو یہ ہے کہ ہر تعریف جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان فرمائی ہے۔ اس کی تفصیلی تشریح حضورؐ کے سوانح سے آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے لیکن یہ لمبی بات ہے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضورؐ کے مخالفین اور منکرین کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ بعثت سے پہلے بھی اتم درجہ پاکیزہ اور قوم کے لئے کامل نمونہ تھی۔ اور پھر ہر توصیف جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں کی گئی ہے۔ وہ حضورؐ کے مخالفین اور منکرین کے لئے چیلنج ہے اور تاریخ اس بات کی کوئی شہادت پیش نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت کے مقابل منکرین رسالت نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات پیش کی ہو کہ اس لحاظ سے فلاں تعریف محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر صادق نہیں آتی۔ اور یہ امر حضورؐ کے منکرین پر کامل اتمام حجت ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے متعلق فرمایا ہے فبما رحمۃٍ من اللہ لِنتَ لھم ولو کُنتَ فظًّا غلیظ القلب لانفضّوا من حولک[4]۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مومنوں پر بہت بڑی رحمت ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے نرم دل بنایا ہے۔ اگر تو درشت اخلاق والا سخت دل انسان ہوتا تو یہ سب لوگ بجائے پروانوں کی طرح تجھ پر اپنے مال اور جانیں قربان کرنے کے لئے ہر لحظہ تیار رہنے کے تجھ سے آہستہ آہستہ علیحدہ ہو جاتے۔ تاریخ منکرین رسالت کی طرف سے کوئی قول تک پیش نہیں کرتی کہ انہیں حضورؐ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت تسلیم نہیں تھی اور ایک صحابہ پر ہی موقوف نہیں۔ حضورؐ کی پُر نور اور بابرکات ذات تمام جہانوں کے لئے یعنی تمام انسانوں مردوں، عورتوں، کالوں اور گوروں اور جانوروں اور پہاڑوں اور دریاؤں اور سبزیوں اور کھیتوں اور سورج چاند اور ستاروں غرض کل کائنات کے لئے رحمت ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت عین حقیقت نہ ہوتی تو منکرین رسالت ایک غوغا برپا کر دیتے لیکن بخلاف اس کے یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ ائمۂ کفر حضورؐ کے متعلق پورے وثوق سے یقین رکھتے تھے کہ حضورؐ کا خُلق عین قرآن کریم

[1] الاحزاب: ۲۱ [2] التوبہ: ۱۱۵ [3] التوبہ: ۱۲۸۔

[4] آل عمران: ۱۵۹ ÷

کے مطابق ہے۔ چنانچہ جب فتح مکہ کے موقعہ پر حضورؐ نے سردارانِ قریش کو طلب فرمایا اور دریافت فرمایا کہ تم سے کیا سلوک کیا جائے؟ تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہمیں تمام وہ سلوک یاد ہیں جو ہم نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ کئے تھے۔ لیکن آپ ایک کریم النفس بھائی ہیں اور ہم آپ سے اسی سلوک کے امیدوار ہیں جو آپ کے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ تو اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ اذھبوا انتم الطلقاء لاتثریب علیکم الیوم۔ جاؤ تم آزاد ہو آج تم سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائیگا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ جن چند لوگوں کے خلاف ذاتی جرائم کی وجہ سے سزا کا حکم جاری ہو چکا تھا ان میں سے بھی مثلاً ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو بھی جس نے اُحد کی جنگ کے موقعہ پر حضورؐ کے چچا حمزہؓ کا کلیجہ کاٹ کر اپنے دانتوں میں چبا لیا تھا۔ اور ہبار کو بھی جو آپؐ کی لختِ جگر حضرت زینبؓ کو ان کی سواری سے گرانے کا مرتکب ہوا تھا اور جس حادثہ کے نتیجہ میں بالآخر موصوفہؓ کی موت واقع ہوئی معاف فرما دیا۔ اور ابوجہل جیسے شدید معاند کے بیٹے عکرمہ کو نہ صرف معاف کر دیا اور امان دی بلکہ اپنی چادر اس کو عطا فرمائی اور ابوجہل کے لئے اسے جنت کے انگوروں میں سے ایک خوشہ بنا دیا۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اخلاق صفاتِ الٰہیہ کے مظہر تھے لیکن یہ عاجز اپنے ذوق کے لحاظ سے حضور کی فروتنی اور انکسار کا اثر سب سے زیادہ تنہائی کے لمحات میں اپنے قلب پر پاتا ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے۔ وللہ درّ قائل

؎

خواجہ و مر عاجزاں را بندۂ
پادشاہ و بےکساں را چاکرے

آں ترحّما کہ خلق از وے بدید
کس ندیدہ در جہاں از مادرے

ناتوانان را برحمت دست گیر
خستہ جاناں را بہ شفقت غمخورے

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دین و دُنیا دونوں بادشاہتیں عطا فرمائیں جو شفقت اور غمخواری کا سمندر بنی نوع انسان کے لئے اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کے عاجز اور بیکس بندوں کے لئے حضورؐ کے قلب مطہر میں موجزن تھا۔ اس کا سایہ بھی کہیں اور مشکل سے ملتا ہے۔

مَیں اس مختصر تحریر کو ایک ذاتی اور ذوقی تأثر کے بیان پر ختم کرتا ہوں۔ مجھے محض اللہ تعالیٰ کی ذرّہ نوازی اور کرم فرمائی سے آج سے دو سال قبل عمرہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور اس سفر کے دوران میں مدینہ شریف میں روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوا۔ ایک بہت گہرا تأثر جو مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ کے قیام کے دوران میں میرے دل پر ہوا یہ تھا کہ اگرچہ دونوں مقاماتِ مقدسہ ہی مہبطِ انوارِ الٰہی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشقِ الٰہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیتِ الٰہی کے نظارے چشم بینا کے سامنے پیش کرتے اور قلب صافی پر وارد کرتے رہتے ہیں۔ لیکن یہاں مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشقِ الٰہی کا تأثر زائر کے دل پر بڑی قوت اور شان سے پڑتا ہے۔ وہاں مدینہ منوّرہ اور خصوصاً مسجد نبوی میں اللہ تعالیٰ کے عشقِ محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا احساس زائر کے دل میں خصوصیت سے جوش زن ہوتا ہے۔ مثلاً کعبہ شریف یعنی بیت اللہ اور اس کے گرد مقامِ ابراہیمؑ، مقامِ اسماعیلؑ، زمزم، صفا مروہ جیسے شعائر اللہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر پیش کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ سے باہر جبلِ نور، منیٰ، مزدلفہ، میدانِ عرفات اور جبلِ رحمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشقِ الٰہی اور

اپنی قوم کی بہبودی کا درد ہر قدم پر یاد دلاتے ہیں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی مقام کے ساتھ اپنا نام تجویز نہیں فرمایا۔ گویا حضورؐ تمام وقت اسی فکر میں تھے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہی انسانوں کے سامنے آئے اور کوئی شائبہ ایسا پیدا نہ ہو جس کی وجہ سے بعد میں آنے والی نسلیں حضورؐ کے لئے کوئی ایسا مقام تجویز کریں جو ایک سوئی بھر بھی کامل عبودیت کے مقام سے آگے پیچھے ہو۔ اس کے مقابل پر مدینہ شریف میں مسجد نبوی کے اندر روضۂ اطہر کے گرد دن رات کی تمام گھڑیوں میں دُنیا کے ہر کنارے سے آئے ہوئے مومنوں کا اژدہام رہتا ہے جو اللہ تعالےٰ کے فرمان اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی بجا آوری میں والہانہ صورت میں درود کے بابرکت الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عشق کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور دل کی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نور کو نازل ہوتا دیکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کے اظہار سے الفاظ قاصر ہیں لیکن جو ایک دفعہ محسوس کئے جانے کے بعد دل سے کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ مدینہ شریف کی گلیوں میں میرے لئے کئی بار ایک پاکستانی شاعر کا یہ شعر وجد کی حالت پیدا کر دیتا ہے۔

ہر راہ کو دیکھا ہے محبت کی نظر سے
شاید وہ گزرے ہوں اسی راہ گزر سے

جیسے مَیں نے شروع میں گزارش کی ہے میں کیا اور میری بساط کیا کہ اس جلیل القدر موضوع پر کچھ عرض کر سکوں لیکن مَیں صمیم قلب سے اور باادب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمنوا ہو کر حضورؑ کا یہ شعر بطور دُعا کے پڑھتا ہوں ؎

در رہِ دینِ محمدؐ این سر و جانم رود
این تمنّا۔ این دُعا این در دلم عزم صمیم

(بقیہ از صفحہ ۱۶)

یہ مت کہو کہ انسان فطرتاً ناپاک ہے۔ ہاں وہ جو خدا کی دی ہوئی خلعت کو خراب کر دے وہ ناپاک ہے۔ ورنہ خدا کے بندے اس کے قُرب کے مستحق ہیں اور قرب پا کر رہیں گے۔

مَیں نے دیکھا اِس آواز کا بلند ہونا تھا کہ دلوں کی کھڑکیاں کھُل گئیں، خالق اور مخلوق کے تعلقات روشن ہو گئے اور مایوسیاں امید سے بدل گئیں لیکن ساتھ ہی خشیتِ الٰہی اُمید کے ہم پہلو آ کر بیٹھ گئی اور ہر غلط اشکال اور نامناسب استغناء کا دروازہ بند ہو گیا۔ جو ہمت ہار بیٹھے تھے وہ از سرِ نَو شیطان سے آزادی کی جدّ و جہد میں لگ گئے اور جو حد سے زیادہ امید لگا کے بیٹھے تھے اور دوسروں پر اپنا بوجھ لادنے کی فکر میں تھے اُنہوں نے دَوڑ کر اپنے بوجھ اپنے کاندھوں پر رکھ لئے۔ دُنیا کی بے چینی دُور ہو گئی اور اطمینان دلوں میں خیمہ زن ہو گیا۔ اور مَیں نے اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھا کہ انسانیت خوشی سے اُچھل رہی تھی۔ میرے دل سے پھر اِک آہ نکلی، ویسی ہی جیسے ایک معشوق سے دُور پڑے ہوئے عاشق کے سینہ سے نکلتی ہے۔ مَیں نے دُور اُفق میں بُعدِ زمانی کی غیر متناہی روکوں کو دیکھا اور حسرت سے سر نیچے ڈال دیا۔ پھر جذبات سے بھرے ہوئے دل سے میری زبان سے نکلا۔ یہ آواز انسانیت کے لئے بھی رحمت ثابت ہوئی ؛

(باقی)

ضروری اعلان

خورشید یونانی دواخانہ گولبازار ربوہ کی فہرست ادویہ طبع ہو چکی ہے منگوا کر فائدہ حاصل کریں۔ نور کاجل اس دواخانہ کی خاص ایجاد ہے جو آنکھوں کی امراض کیلئے بہت مفید ثابت ہو رہی ہے۔ ضرور تشریف طلب فرمائیں!

(مینجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

{ چند سال گزرے کہ ہمارے امام ہمام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے "رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک **نہایت دلکش مقالہ** تحریر فرمایا تھا۔ اخویم مکرم ملک مبارک احمد صاحب امین آبادی کی تجویز کے مطابق اس پُر معارف مضمون کا اوّلین حصہ قارئین کے ازدیادِ ایمان کے لئے درج ذیل ہے۔ (ایڈیٹر) }

انسانی دماغ بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب قسم کا بنایا ہے۔ کئی کئی حالتوں میں سے وہ گزرتا ہے۔ ایک وقت فلسفہ کے دلائل اسے الجھا رہے ہوتے ہیں تو دوسرے وقت وجدان کی ہوائیں اُسے اُڑا رہی ہوتی ہیں۔ ایک وقت علم کے قوامض اسے نیچے کی طرف کھینچ رہے ہوتے ہیں تو دوسرے وقت عشق کی بلندیاں اسے اُوپر کو اُٹھا رہی ہوتی ہیں۔ انہی حالتوں میں سے ایک حالت مجھ پر طاری تھی۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر غور کر رہا تھا۔ میری عقل اس کی حد بندی کرنا چاہتی تھی کہ میرا دل میرے ہاتھوں سے نکلنے لگا۔ اس بحرِ ناپیدا کنار کی پہنادری نے میری فکر کو سب قیود سے آزاد کر دیا اور وہ زمانہ اور امکان کی قید سے آزاد ہو کر اپنی ہمت اور طاقت سے بڑھ کر پرواز کرنے لگا۔

آسمان کے لئے رحمت

میری نگہ آسمانوں کی طرف گئی۔ اور میں نے روشن سورج اور چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھا۔ وہ کیسے خوش منظر تھے وہ کیسے دل لبھانے والے تھے۔ ان کی ہر ہر شعاع محبت کی چمک سے درخشاں تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے چلمنوں سے کوئی معشوق محوِ نظارہ ہے۔ میرا دل اس نظارہ کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا۔ مجھے اس روشنی میں کسی کی صورت نظر آتی تھی۔ کسی ازلی ابدی معشوق کی جو سب حسنوں کی کان ہے۔ مجھ پر بالکل اسی کی سی حالت طاری تھی جس نے کہا ہے ؎

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

نہ معلوم میں اس خیال میں کب تک محو رہتا کہ میں نے عالمِ خیال میں دیکھا۔ سورج کی روشنی زرد و دھیمی پڑنے لگی۔ چاند اور ستارے مٹتے ہوئے معلوم ہونے لگے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ وجود جو اُن کی چمک دمک کا باعث تھا ناراض ہو کر پیچھے ہٹ گیا ہے اور چھپ کر تکنے والے کے چہرہ کے نور سے محروم ہو گیا ہے۔ وہ زندہ نظر آنے والے کرّے بے جان مٹی کے ڈھیر نظر آنے لگے۔ میں نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ یہ کیا ہونے لگا ہے؟ کہ میری نظر نیچے کی گہرائیوں میں اپنے ہم جنس انسانوں پر پڑی۔ میں نے دیکھا ہزاروں لاکھوں بظاہر عقلمند نظر آنے والے انسان سر کے بل گرے ہوئے یا گھٹنے ٹیک کر بیٹھے ہوئے گڑگڑا گڑگڑا کر اور رو رو کر دعائیں کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اے سورج دیوتا! مجھ پر نظر کر۔ میرے اندھیرے گھر کو اپنی شعاعوں سے منوّر کر۔ میری بیوی کی

بے اولادوں کو اولاد سے بھر دے اور میرے دشمنوں کو تباہ کر۔ کوئی کہتا اے چندر ماتا! میری تاریکی کی گھڑیوں کو اپنے نور سے روشن کر اور غموں اور رنجوں کو ہمارے گھر سے دور کر۔ کوئی کہتا اے ستارو! تم خوشیوں کا موجب اور میری راحتوں کا منبع ہو۔ اے زہرہ! تو محبت سے ہمارے گھروں کو بھر دے۔ اور ہمارے پیاروں کے دل ہماری طرف پھیر دے۔ اور اے مریخ! تو ہم پر ناراض نہ ہو اور مصیبتوں کی گھڑیاں ہم پر نہ لا۔ اپنا غصہ ہمارے دشمنوں کی طرف پھیر دے۔

میرا دل اس گھناؤنے نظارہ کو دیکھ کر سخت گھبرا گیا اور میں نے کہا انسان نے کیسی خوبصورت چیزوں کو کیسا گھناؤنا بنا دیا ہے۔ جب عاشق محبوب کے چہرے کی بجائے اس نقاب سے عشق کرنے لگتا ہے۔ جب اس کے حقیقی حسن کو بھلا کر وہ اس کے لباس کی زیبائش پر فریفتہ ہونے لگتا ہے تو محبوب اس لباس سے نکل جاتا ہے۔ اور خالی لباس عاشق کی طرف پھینک دیتا ہے کہ جا اور اسے دیکھا کر۔ مگر وہی لباس جو معشوق کے جسم پر خوبصورتیوں کا مجموعہ نظر آتا تھا اب کیسا بُرا، کیسا بھدا نظر آتا ہے۔ میں نے کہا یہی حال آسمان کے اجرام کا ہے۔ جب تک ان میں ازلی ابدی محبوب کا چہرہ دیکھا جائے وہ کیسے خوبصورت نظر آتے ہیں، کیسے شاندار، کیسے باعظمت۔ اور جب خود ان کی ذات مقصود ہو جائے ان کی عظمت کس طرح برباد ہو جاتی ہے۔ ہیئت دان کس طرح بے رحمی سے ان کو چیر پھاڑ کر ایک دھاتوں کا تودہ، ایک گیسوں کا مجموعہ ثابت کر دیتے ہیں۔ میں نے اس خیال کے پیدا ہونے پر پہلے تو حسرت سے آسمانوں کی طرف اور ان کے کھوئے ہوئے حسن کی طرف دیکھا اور پھر انسان اور اس کی گم شدہ عقل کی طرف نظر کی۔ میں اسی حال میں تھا کہ ایک نہایت دلکش، نہایت سریلی آواز دلوں کو مسحور کر دینے والی، افکار کو اپنا لینے والی، میرے کانوں میں پڑی۔ اس نے پُرجلال اور شاندار لہجہ سے کہا۔ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ صرف اللہ کو جو ایک ہی ہے اور جس کا قبضہ ان سب فلکی اجرام پر اور دوسری چیزوں پر ہے سجدہ کرو۔ اور یاد رکھو کہ اسنے سورج کو بھی پیدا کیا اور چاند کو بھی اور ستاروں کو بھی۔ اور یہ سب اسی کے ایک ادنیٰ اشارے کے تابع اور خادم ہیں۔ یاد رکھو کہ وہی پیدا کرتا اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہ آواز کیسی مؤثر، کیسی موہ لینے والی تھی۔ زمین کی حالت یوں معلوم ہوئی جیسے کسی پر قشعریرہ آ جاتا ہے۔ انسان یوں معلوم ہوا جیسے سوتے ہوئے جاگ پڑتے ہیں۔ ندامت، شرمندگی اور حیا کے ساتھ شرمائے ہوئے چہروں کے ساتھ لوگ اُٹھے اور اپنے پیدا کرنے والے کے آگے جھک گئے۔ آسمان پھر خوبصورت نظر آنے لگا۔ ازلی ابدی معشوق نے پھر سورج، چاند اور ستاروں کی جھلملیوں میں سے دُنیا کو جھانکنا شروع کیا۔ پھر دُنیا کا ذرہ ذرہ جلال الٰہی کا مظہر بن گیا۔ ہیئت دانوں کے سب استدلال اور سب دلیلیں حقیر نظر آنے لگیں۔ صاحب دل بول اُٹھے تم اپنی گیسوں اور دھاتوں کے نظریوں کو اپنے گھر لیجاؤ۔ تم چھلکے کو تو دیکھتے ہو مغز پر نگاہ نہیں ڈالتے۔ تم ان دھاتوں کے طوماروں اور گیسوں کے مجموعوں کے پیچھے نہیں دیکھتے کس کا حسن چمک رہا ہے؟ کس کا ہاتھ کام کر رہا ہے؟ میں نے دیکھا چاند کی وہ بے نور مٹی بھی جسے ہیئت دان کہتے ہیں کہ ہزاروں سال کے تغیرات کے ماتحت مُردہ ہو چکی ہے خوشی سے چمک رہی تھی۔ اسے اس سے کیا کہ وہ سرد ہے یا گرم مُردہ ہے یا زندہ۔ اس کا ذرہ ذرہ تو اس خوشی سے دمک رہا تھا کہ وہ اب سے آیَۃٌ مِّنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ کہلائے گا۔ کسی چیز نے میرے دل میں ایک چٹکی لی۔ اور میں نے ایک آہ بھری۔ پھر میں نے کہا۔ یہ آواز تو ان اجرام فلکی کیلئے ایک رحمت ثابت ہوئی۔

فرشتوں کے لئے رحمت

پھر میری نظر اور بھی بلند ہوئی اور میں نے عالم خیال میں اُوپر

آسمانوں پر ایک مخلوق دیکھی جو نہایت خوبصورت اور نہایت پاکیزہ تھی۔ ان کے چہرے میں نے عالم کشف اور رؤیا میں دیکھے ہوئے تھے۔ میں نے عالم خیال میں بھی ان کی ویسی ہی شکل دیکھی۔ وہ مجھے نہایت بھولے بھالے وجود نظر آئے لطیف اجسام کے جن کو صرف روحانی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ پاکیزہ صورت اور پاکیزہ سیرت۔ محنتی اور کام کرنے والے۔ ایسے کہ ان کو وقت کے آنے جانے کا کچھ علم ہی نہ ہوتا۔ ان کا ہر لحظہ آقا کی خدمت کے لئے رہن تھا۔ وہ مشینیں تھیں جو قدرت کے اشارہ پر چلتی ہیں مگر میں نے اپنے فکر کی آنکھ سے دیکھا کہ ان کے خوبصورت چہروں پر افسردگی کے آثار تھے۔ ان کی تازگی میں بھی ایک جھلک پژمردگی کی تھی۔ میں نے اس کے سبب کی تلاش کی مگر آسمان پر کوئی بات مجھے نظر نہ آئی جو اس کا موجب ہوتی۔ انکا آقا ان سے خوش تھا اور وہ اپنے آقا سے خوش۔ پھر ان کی افسردگی کا کیا باعث تھا؟ میں نے پھر زمین پر نظر کی اور ایک دل دہلانے والا نظارہ دیکھا۔ میں نے بلند عمارتیں دیکھیں جو ان فرمانبردار روحوں کے نام پر بنائی گئی تھیں۔ میں نے ان میں ان کے مجسمے دیکھے جن کی لوگ پوجا کر رہے تھے۔ میں نے بھاری بھرکم جسموں والے، بڑے بڑے جبّوں والے لوگ دیکھے جو نہایت سنجیدہ شکل بنائے ہوئے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ گویا سب دنیا کا علم سمٹ کر ان کے دماغوں میں جمع ہو گیا ہے اپنے گرد و پیش بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس لہجہ میں کہ گویا وہ ایک بڑے راز کی بات انہیں بتا رہے ہیں، ایسی بات کہ جسے دوسرے لوگ عمر بھر کی جستجو اور بیسیوں سال کی تپسیا کے بعد بھی حاصل نہیں کر سکتے یہ کہہ رہے تھے کہ فرشتے اصل میں خدا کی بیٹیاں ہیں اور جو کام خدا تعالیٰ سے کرانا ہو اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ ان خدا کی بیٹیوں کو قابو کیا جائے۔ اور وہ بزعم خود ایسی عبادتیں جن سے فرشتے قابو آتے ہیں لوگوں کو بتا رہے تھے۔ لوگوں کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے اور ان کے دل اُن علم روحانی کا [illegible] والوں پر

قربان ہو رہے تھے۔

پھر میری ایک اور طرف نگہ پڑی۔ میں نے دیکھا ویسے ہی جبّوں والے کچھ اور لوگ اپنے عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں ایک کنوئیں کے پاس کھڑے ہوئے کچھ راز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے۔ وہ انہیں بتا رہے تھے جس طرح ایک گہرا راز بتایا جاتا ہے کہ اس کنوئیں میں ہاروت ماروت دو فرشتے ایک فاحشہ سے عشق کرنے کے جرم میں قید کئے گئے تھے۔ کچھ جبہ پوش تو اصرار کر رہے تھے کہ وہ اب بھی اس جگہ قید ہیں۔ اور بعض تو یہاں تک کہتے تھے کہ ان کے کسی استاد نے ان کو الٹا لٹکے ہوئے دیکھا بھی ہے جسے سن کر کئی عقیدت مندوں کے جسم پر جھرجھری آجاتی تھی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ انسانی گناہ نے فرشتوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ میں اسی حیرت میں تھا کہ میں نے پھر وہی آواز، دلکش و پُر تاثیر آواز، محبت اور جلال کی ایک عجیب آمیزش کیساتھ بلند ہوتی ہوئی سنی۔ اس نے کہا کہ فرشتے خدا کے بندے ہیں کہ بیٹیاں۔ اور وہ پوری طرح اس کے فرمانبردار ہیں کبھی بھی اس کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے۔ لوگوں میں پھر بیداری پیدا ہوئی۔ بہت سے لوگ خواب غفلت سے چونکے اور اپنے پہلے عقائد پر شرمندہ اور نادم ہوئے۔ کئی اونچی عمارتیں جو خدا کی بیٹیوں کے نام سے کھڑی کی گئی تھیں گرا دی گئیں اور ان کی جگہ خدائے واحد و قہار کی عبادت گاہیں کھڑی کی گئیں۔ وہ کنوئیں جو فرشتوں کے گناہوں کی یادگار تھے اجاڑ ہو گئے۔ زائرین نے ان کی زیارت ترک کر دی۔ میں نے دیکھا فرشتے خوش تھے، گویا ان کے لباسوں پر گندے چھینٹے پڑ گئے تھے جسے دھونے والے نے دھو دیا۔ میرے دل سے پھر ایک آہ نکلی اور میں نے کہا یہ آواز ان فرشتوں کے لئے بھی ایک رحمت ثابت ہوئی۔

زمانہ کے لئے رحمت

میری نظر یہاں سے اُٹھ کر زمانہ کی طرف گئی۔ میں نے کہا وقت کتنا لمبا ہے؟ کب سے یہ فرشتے کام کر رہے ہیں۔ کب سے سورج اور زمین کے ساتھ کے ستارے اپنے فرائض ادا کر رہے

ہیں؟ کون بتا سکتا ہے کہ زمانہ جو کچھ بھی ہے اس نے کس قدر تغیرات دیکھے ہیں؟ کس طرح اور کب سے یہ خوشی اور غم کا پیمانہ بنا ہوا ہے۔ اگر وہ جاندار شے ہوتا تو ایک بے اندازہ زمانہ تک اللہ کی مخلوق کی خدمت میں لگا رہنے پر اسے کس قدر فخر ہوتا؟ میں اسی خیال میں تھا کہ مجھے زمانہ کے چہرہ پر بھی دو داغ نظر آئے۔ مجھے کچھ لوگ یہ کہتے ہوئے سنائی دیئے کہ زمانہ غیر فانی ہے۔ زمانہ خدا کی طرح ازلی ابدی ہے۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے سنائی دیئے کہ زمانہ ظالم ہے اس نے میرا فلاں رشتہ دار مار دیا۔ زمانہ برا ہے اس نے مجھ پر فلاں تباہی وارد کر دی۔ میں نے کہا اگر زمانہ زندہ شے ہوتی تو وہ ان باتوں کو سن کر ضرور ملول ہوتا۔ مگر معاً وہی آواز پھر بلند ہوئی۔ اس نے کہا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ زمانہ ہمارے آدمیوں کو مارتا اور تباہ کرتا ہے یا وہ خدا ہے غلط کہتے ہیں۔ انہیں حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ مارنا اور جلانا تو خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ جب تک کسی چیز کو عمر دیتا ہے وہ قائم رہتی ہے۔ اور زمانہ اس کے ساتھ بمنزلہ ایک کیفیت کے رہتا ہے۔ اور پھر اس نے کہا زمانہ کیا ہے؟ خدا تعالےٰ کی صفات کا ایک ظہور ہے۔ پس تم جو اسے گالیاں دیتے ہو درحقیقت خدا تعالیٰ کو گالیاں دیتے ہو۔ میرا دل اس آواز والے کے اور بھی قریب ہو گیا اور میں نے محبت بھرے دل سے کہا یہ آواز تو زمانے کیلئے بھی رحمت ثابت ہوئی۔

زمین کے لئے رحمت

زمانہ سے ہٹ کر میری نگہ کرۂ ارض پر پڑی میں نے کہا ہماری دُنیا دوسرے کرّوں سے کچھ کم خوبصورت نہیں بلکہ بظاہر زیادہ ہے کیونکہ وہاں سے تو صرف روشنی آتی ہے اور یہاں روشنی کے علاوہ قسم قسم کے سبزے اور رنگ رنگ کے تنلے اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی بلند پہاڑیاں اور کلیلیں کرتی ہوئی ندیاں اور اچھلتے ہوئے چشمے اور سایہ دار وادیاں اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور پھولوں سے اٹی ہوئی جھاڑیاں اور لہلہاتے ہوئے کھیت اور غلوں سے بھرے ہوئے کھلیان اور چہچہاتے ہوئے پرندے اور ناز و رعنائی سے بھاگتے ہوئے چوپائے اور نہ معلوم کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے۔ مجھے اس وقت زمین کچھ ایسی خوبصورت نظر آئی کہ درندوں اور وحوش اور سانپوں اور بچھوؤں اور دوسرے زہریلے کیڑوں اور مچھروں اور طاعون کے چوہوں تک میں مجھے خوبصورتی ہی خوبصورتی نظر آنے لگی۔ میں نے خیال کیا کہ شیر بے شک وحشی جانور ہے اور کبھی کبھی انسانوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے لیکن اگر شیر نہ ہوتا تو شیر افگن کہاں سے پیدا ہوتے۔ اگر بہادر شیر انسان کی بہادری کی آزمائش کے لئے نہ ہوتا تو بہادری کی آزمائش کا یہی ذریعہ رہ جاتا کہ لوگ بنی نوع انسان پر حملہ کر کے اپنی شجاعت کی آزمائش کرتے۔ اور یہ جانور تو زندہ ہی نہیں مر کر بھی ہمارے کام آتا ہے۔ اس کی چربی اور اس کے ناخن اور اس کی کھال علاج اور زینت و زیبائش میں کیسی کارآمد ثابت ہوتی ہے۔

مجھے سانپ کے زہر سے زیادہ اس کے گوشت کے فوائد نظر آنے لگے اور میں نے کہا کہ اگر سانپ نہ ہوتا تو ہمارے اطبّا قرص افعی کہاں سے ایجاد کرتے! اور اگر بچھو نہ ہوتا تو یہ گردوں کی پتھریوں کے مریض اپریشن کے بغیر کس طرح آرام پاتے؟ میں نے مچھر کو صرف کثرت رطوبت کا ایک الارم پایا۔ بے چارہ چھوٹا سا جانور کس طرح رات دن ہمیں بیدار کرتا اور بتاتا ہے کہ گھر میں نالیاں گندی رہتی ہیں، شہر کی بدررویں میلے سے بھری رہتی ہیں۔ لوگ پانی جیسی نعمت یونہی ضائع کر دیتے ہیں۔ غرض رات دن ہمیں اپنے فرض سے آگاہ کرتا رہتا ہے جب ہم ہوشیار ہی نہیں ہوتے اور سستی کا دامن نہیں چھوڑتے تو بے چارہ غصہ میں آ کر کاٹتا ہے۔ بیماری اتنی مچھر سے تو پیدا نہیں ہوتی جتنی کثرتِ رطوبت سے، جتنی گندی نالیوں کے تعفن سے، بدرروؤں کی غلاظت اور بے احتیاطی سے پھینکے ہوئے پانیوں سے۔ غرض مجھے ہر شے میں اس کے پیدا کرنے والے کا حسن نظر آنے لگا۔ ہر ذرہ میں ازلی ابدی محبوب کی شکل نظر آنے لگی۔ مگر ناگاہ میری نظر آبادیوں کی طرف اُٹھ گئی۔

اور میں نے دیکھا کہ لوگ پہاڑیوں، درختوں، پتھروں، دریاؤں، جانوروں کے آگے سجدے کر رہے ہیں اور مغز کو بھول کر چھلکے پر فدا ہو رہے ہیں۔ میری طبیعت منغّص ہو گئی اور میرا دل متنفر ہو گیا اور مجھے شیر، سانپ، بچھو تو الگ رہا مصفّی پانی میں بھی لاکھوں کیڑے نظر آنے لگے اور سبزہ زار مرغزاروں سے بھی سڑتے ہوئے سبزے کی دماغ سوز بُو آنے لگی۔ اور میں نے دیکھا کہ یہ زمین تو ایک دن رہنے کے قابل نہیں۔ مجھے یوں معلوم ہوا گویا یہاں کی ہر شے مُردہ ہے اور اس کے نظارے ایک بدکار بُڑھیا کی مانند ہیں کہ باوجود ہزاروں بناؤں اور تزئینوں کے اس کی بدصورتی اور بدسیرتی چھُپ نہیں سکتی۔ مگر میں اسی حالت میں تھا کہ پھر وہی آواز بلند ہوئی، پھر وہی شیریں، دل میں پیوست ہو جانے والی آواز اونچی ہوئی اور اس نے کہا۔ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ انسان کے نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے پہاڑ اور اس کے دریا اور اس کے چرند اور اس کے پرند اور اس کے میوے اور اس کے غلّے سب کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے اعمال میں تنوّع پیدا ہو اور وہ ان امانتوں کے بہترین استعمال سے اپنے پیدا کرنے والے کا قرب حاصل کرے۔ اِس زمین کی اچھی نظر آنے والی اور بظاہر بُری نظر آنے والی سب اشیاء انسان کے لئے آزمائش ہیں۔ پس مبارک ہے وہ جو ان سے فائدہ اٹھاتا اور اپنے پیدا کرنے والے کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ یوں معلوم ہوا گویا اِس دنیا کے ذرّہ ذرّہ کے سر پر سے بوجھ اُتر گیا۔ یہی جہان ایک جنّت نظر آنے لگا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگلے جہان کی جنّت اس جنّت کا ایک تسلسل ہے اور کچھ بھی نہیں۔ بہت سے لوگ جنہوں نے اس آواز کو سُنا اپنی غلطیوں سے پشیمان ہو کر شرک و بدعت سے توبہ کر کے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف دَوڑ پڑے۔ پھر دنیا خدا کے جلال کا ظہورگاہ بن گئی۔ پھر الٰہی تجلّیاں اس میں نظر آنے لگ گئیں اور میں نے ایک آہ بھر کر کہا کہ یہ آواز ہماری زمین کے لئے بھی رحمت ثابت ہوئی۔

انسانیّت کے لئے رحمت

جب میں نے تمام مخلوقات میں سے انسان کی عبادتوں کو دیکھا اور اس کی غلطیوں کے ساتھ اس کی توبہ پر نظر کی اور اس کی ناکامیوں کے ساتھ اس کی متواتر جدّوجہد کا معائنہ کیا تو میرا دل خوشی سے اچھل پڑا اور میں نے کہا اس خوبصورت دنیا میں ایسی اچھی مخلوق کیسی بھلی معلوم دیتی ہے کس طرح دل کھینچتی ہے۔ مگر جب میں اس سرور سے متکیّف ہو رہا تھا یکدم میری نگہ چند لوگوں پر پڑی جنہوں نے سیاہ جُبّے پہن رکھے تھے۔ جن کی بڑی بڑی داڑھیاں اور موٹی موٹی تسبیحیں اور سنجیدہ شکلیں انہیں مذہبی علماء ثابت کر رہی تھیں۔ ان کے گرد ایک جمگھٹ تھا۔ کثرت سے لوگ ان کی باتوں کو سُنتے اور ان سے متاثر ہوتے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کے اکثر لوگ ان کی توجہ کا شکار ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ ان کے چہروں سے علم کے آثار ظاہر تھے اور ان کی باتوں سے درد اور محبت کی بُو آتی تھی۔ انہوں نے لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ اے بدبخت انسانو! تم کیوں خوش ہو؟ تم کس اُمید پر تم جی رہے ہو۔ کیا تم کو اس جہنّم کے گڑھے کی خبر نہیں جو تمہارے آباء نے تمہارے لئے تیار کر رکھا ہے۔ وہ نہ بجھنے والی آگ جو گندھک سے بھڑک رہی ہے، وہ تاریکی جس کے سامنے اِس دُنیا کی تاریکیاں روشنی معلوم ہوتی ہیں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ پھر تم کیوں خوش ہو؟ تم کس مُنہ سے نجات کے طالب ہو اور تمہارا دل کس طرح اس کی تمنّا کر سکتا ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ پاک اور ناپاک کا جوڑ نہیں اور ماضی کا بدلنا کسی کے اختیار میں نہیں۔ تم میں سے کون ہے کہ جو کہے کہ وہ پاک ہے؟ اور خدا تعالیٰ سے ملنے کا مستحق ہے؟ اور تم میں کون ہے کہ جو کہے کہ وہ پاک ہو سکتا ہے؟ کیونکہ شریعت پاک نہیں ناپاک کرتی ہے، حکم فرمانبردار نہیں نافرمان بناتا ہے۔ کون ہے جو تمام حکموں پر عمل کر سکتا ہے؟ اور جس نے ایک

ادنیٰ سے حکم کی بھی نافرمانی کی وہ باغی بن گیا۔ کیا عمدہ سے عمدہ شے کو ایک قطرہ ناپاکی کا ناپاک نہیں کر دیتا؟ پھر تم کس طرح خیال کر سکتے ہو کہ تم پاک ہو یا پاک ہو سکتے ہو؟ کیا تم کو یاد نہیں کہ تمہارے باپ آدم نے گناہ کیا اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو بھول گیا اور شیطان نے اس کو اور اس کی بیوی حوا کو جو تمہاری ماں بھی ورغلایا اور گنہگار کر دیا؟ تم جو ان کی اولاد ہو کس طرح خیال کر سکتے ہو کہ ان کے گناہ کے ورثہ سے حصہ نہ لو گے؟ کیا تم امید کرتے ہو کہ ان کی دولت پر تو تم قابض ہو جاؤ اور ان کے قرضے ادا نہ کرو؟ ان کی نیکیاں تو تم کو مل جائیں اور ان کے گناہ میں تم حصہ دار نہ ہو۔ اور جب گناہ تم کو ورثہ میں ملا ہے تو تم اس ورثہ کی لعنت سے بچ کیونکر سکتے ہو؟ تم خیال کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم کو معاف کر دیگا؟ نادانو! تم کو یاد نہیں کہ وہ رحم کرنے والا بھی ہے اور عدل کرنے والا بھی؟ اس کا رحم اس کے عدل کے مخالف نہیں چل سکتا۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری خاطر اپنے عدل کو بھول جاتے؟

میں نے دیکھا ان کی تقریر سے دل میں مایوسی کی لہر اس قدر زبردست تھی کہ امیدوں کے پہاڑوں کو اڑا کر لے گئی۔ جو چہرے خوشیوں سے تمتما رہے تھے حرمان و یاس سے پژمردہ ہو گئے۔ دنیا اور اس کے باشندے ایک کھلونا اور وہ بھی شکستہ کھلونا نظر آنے لگے۔ مگر ذرا سانس لیکر ان علماء نے پھر گرج کر لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا مگر تم مایوس نہ ہو کہ جہاں تمہاری امیدوں کو توڑا گیا ہے وہاں ان کے جوڑنے کا بھی انتظام موجود ہے اور جہاں ڈرایا گیا ہے وہاں بشارت بھی مہیا کی گئی ہے۔ خدا کے عدل نے تم کو سزا دینی چاہی تھی مگر اس کے رحم نے تم کو بچا لیا۔ اور وہ اس طرح کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیجا کہ تا وہ بے گناہ ہو کر صلیب پر لٹکایا جائے اور سچا ہو کر جھوٹا قرار پائے۔ چنانچہ وہ مسیح کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوا اور یہود نے اسے بلا کسی گناہ کے صلیب پر لٹکا دیا۔ اور وہ تمام ایمان لانے والوں کے گناہ اٹھا کر انکی نجات کا موجب ہوا۔ پس تم اس پر ایمان لاؤ، وہ تمہارے گناہ اٹھا لیگا۔ اس طرح خدا کا عدل بھی پورا ہوگا اور رحم بھی اور دنیا نجات پا جائیگی۔ میں نے دیکھا کہ مایوسی پھر دور ہو گئی اور لوگ خوشیوں سے اچھلنے لگے اور ساری دنیا نے ایسی خوشی کی جس کی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی۔ اور لوگ آگے اور صلیب کو جو انکی نجات کا موجب ہوئی روتے ہوئے چمٹ گئے۔ وہ بیتاب ہو کر کبھی اس کو بوسہ دیتے اور کبھی اس کو سینہ سے لگاتے اور ایک دیوانگی کے جوش سے انہوں نے اس چیز کا خیر مقدم کیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس جوش کے سرد ہونے پر بعض لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ یہ تو بیشک معلوم ہوتا ہے کہ گناہ سے انسان نہیں بچ سکتا لیکن امید کا پیغام کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر خدا کے لئے عادل ہونا ضروری ہے تو اس کا بیٹا بھی ضرور عادل ہوگا۔ اور اگر گنہگار کے گناہ کو معاف کرنا عدل کے خلاف ہے تو بے گناہ کو سزا دینا بھی تو عدل کے خلاف ہے۔ پھر کس طرح ہوا کہ خدا کے بیٹے نے دوسروں کے گناہ اپنے سر پر لئے اور خدا نے اس بے گناہ کو پکڑ کر سزا دیدی؟ پھر انہوں نے کہا کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ موت کو تو گناہ کی سزا بتایا گیا تھا جب گناہ نہ رہا تو موت کیونکر رہ گئی؟ گناہ کے معاف ہونے پر موت بھی تو موقوف ہو جانی چاہیئے تھی۔ پھر بعض لوگوں نے کہا کہ ہم سے تو اب بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اگر ورثہ کا گناہ دور ہو گیا تھا تو گناہ ہم سے باوجود بچنے کی کوشش کے کیوں ہو جاتا؟ جب بعض دوسروں نے انکو دلیری سے یہ کہتے سنا تو انہوں نے کہا کہ ہم سے بھی اور ہم سے بھی؟

پھر میں نے عالم خیال میں دیکھا کہ ان لوگوں نے کہا کہ خدا نے ہم کو کیوں پیدا کیا؟ انسانیت جو اس قدر اعلیٰ شے سمجھی جاتی تھی کیسی ناپاک ہے؟ کس طرح گناہ سے اس کا بیج پڑا اور گناہ میں اس نے پرورش پائی اور گناہ ہی اس کی خوراک بنی اور گناہ ہی اس کا اوڑھنا اور بچھونا ہوا۔ ایسی ناپاک شے کو وجود میں لانے کا مقصد کیا تھا؟ یہ جنت کیا شے ہے اور کس کیلئے ہے؟ کیونکہ ہم کو تو سوائے

مایوسی کے کچھ نظر نہیں آتا اور دوزخ کے سوا کسی شے کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ وہ انہی فکروں میں تھے کہ پھر وہی تیزیں اور مست کر دینے والی آواز جو کئی بار پہلے بھی دنیا کے عقدے حل کر چکی تھی بلند ہوئی، پھر اس آواز کی صداؤں سے پُرکیف نغمے پیدا ہو کر دنیا پر چھا گئے۔ پھر ہر شخص گوش بآواز ہو گیا، پھر ہر دل رجا و امید کے جذبات سے دھڑکنے لگا۔ وہ آواز بلند ہوئی اور اس نے دنیا کو اس بارہ میں ایک طویل پیغام دیا جس کے مطلب اور مفہوم کو میں اپنے الفاظ میں اور اپنی تمثیلات سے ادا کرتا ہوں۔ اس نے کہا جو کسی کے دل میں ناامیدی پیدا کرتا ہے وہ اس کے ہلاک کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ایمان کی کیفیت خوف و امید کی چار دیواری کے اندر ہی پیدا ہو سکتی ہے اور وہ بھی تب جب امید کا پہلو خوف پر غالب ہو۔ پس جو امید کو دور کرتا ہے وہ گناہ کو مٹاتا نہیں بڑھاتا ہے اور خطرہ کو کم نہیں زیادہ کرتا ہے۔ آدمؑ نے بیشک خطا کی لیکن وہ ایک بھول تھی، دیدہ دانستہ گناہ نہ تھا۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ باپ جو کچھ کرے بیٹے کو اس کا ورثہ ملے۔ اگر یہ ہوتا تو جاہل ماں باپ کے لڑکے ہمیشہ جاہل رہتے۔ اور عالموں کے عالم۔ مسلول ماں باپ کے بچے ہمیشہ مسلول نہیں ہوتے نہ کوڑھیوں کے بچے ہمیشہ کوڑھی ہوتے ہیں۔ بعض باتوں میں ورثہ ہے اور بعض میں ورثہ نہیں۔ اور جہاں ورثہ ہے وہاں بھی خدا تعالیٰ نے ورثہ سے بچنے کے سامان پیدا کئے ہیں۔ اگر ورثہ سے بچنے کے سامان نہ ہوتے تو تبلیغ اور تعلیم کا مقصد کیا رہ جاتا؟ کافروں کے بچوں کا ایمان لے آنا بتاتا ہے کہ ایمان کے معاملہ میں خدا تعالیٰ نے ورثہ کا قانون جاری نہیں کیا۔ اگر اس میں بھی ورثہ کا قانون جاری ہوتا تو مسیحؑ کی آمد ہی بیکار رہ جاتی۔ اس نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو نیک طاقتیں دے کر پیدا کیا ہے۔ پھر بعض انسان ان طاقتوں کو ترقی دیتے ہیں اور کامیاب ہو جاتے ہیں اور بعض ان کو پاؤں میں روند دیتے ہیں اور نامراد ہو جاتے ہیں۔ قانونِ شریعت بیشک سب کا سب قابلِ عمل ہے لیکن نجات کی بنیاد عمل پر نہیں ایمان پر ہے۔ جو فضل کو جذب کرتا ہے عمل اس کی تکمیل کا

ذریعہ ہے اور نہایت ضروری لیکن پھر بھی وہ تکمیل کا ذریعہ ہے اور ذریعہ کی کمی سے چیز کا فقدان نہیں ہوتا۔ بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے لیکن پانی سے وہ بڑھتا ہے۔ ایمان بیج ہے اور عمل پانی جو اسے اوپر اٹھاتا ہے، خالی پانی سے درخت نہیں اُگ سکتا لیکن بیج ناقص ہو اور پانی میں کسی قدر کمی ہو جائے تب بھی درخت اُگ آتا ہے۔ کسان ہمیشہ پانی دینے میں غلطیاں کر دیتے ہیں لیکن اس سے کھیت مارے نہیں جاتے جب تک بہت زیادہ غلطی نہ ہو جائے۔ انسانی عمل ایمان کو تازہ کرتا ہے اور اس کی کمی اس میں نقص پیدا کرتی ہے لیکن اس کی ایسی کمی جو شرارت اور بغاوت کا رنگ نہ رکھتی ہو اور حد سے بڑھنے والی نہ ہو ایمان کی کھیتی کو تباہ نہیں کر سکتی۔ اور شرارت و بغاوت بھی ہو تو خدا کا عدل توبہ کے راستہ میں روک نہیں۔ عدل اس کو نہیں کہتے کہ ضرور سزا دی جائے بلکہ اس کو کہتے ہیں کہ بے گناہ کو سزا نہ دی جائے۔ پس گنہگار کو رحم کر کے بخشنا اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کے مخالف نہیں عین مطابق ہے۔ اگر عدل کے معنی یہ ہوں کہ ہر عمل کی عمل کے برابر جزا ملے تو بخشش اور نجات کے معنی ہی کیا ہوئے؟ اس طرح تو نہ صرف گناہ کا بخشنا عدل کے خلاف ہوگا کیونکہ عدل کے معنی برابر کے ہیں۔ اور اگر یہ صحیح ہو تو کسی شخص کو اس کی عمر کے برابر ایام کے لئے ہی نجات دی جا سکتی ہے اور وہ بھی اسکے اعمال کے وزن کے برابر۔ مگر اسے کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔ پھر نہ معلوم خدا تعالیٰ کی رحمت کو اس مسئلہ سے کیوں محدود کیا جاتا ہے؟ اس نے کہا خدا مالک ہے اور مالک کے لئے انعام اور بخشش میں کوئی حد بندی نہیں۔ وہ بیشک وزن کرتا ہے لیکن اس کا وزن اسلئے ہوتا ہے کہ کسی کو اسکے حق سے کم نہ ملے نہ اسلئے کہ اس کے حق سے زیادہ نہ ملے۔ مسیحؑ بیشک بے گناہ انسان اور خدا کا رسول تھا لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ وہ دوسروں کا بوجھ اٹھا لیگا۔ قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی صلیب خود ہی اٹھانی ہوگی اور جو خود اپنی صلیب نہ اٹھا سکیگا وہ نجات بھی نہ پا سکیگا۔ سوائے اسکے کہ خدا کے فضل کے ماتحت اسکی بخشش ہو اور خدا تعالیٰ خود کسی کا بوجھ اٹھا لے۔ پس

(باقی ص ۱۹ کالم ۲)

مومنوں سے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا محبانہ و مشفقانہ سلوک

(از محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق عالیہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے نہایت مختصر مگر جامع جواب دیا۔ فرمایا "کان خلقہ القرآن" یعنی آپ کی سیرت آپ کے اخلاق اور آداب و عادات کے متعلق صحیح علم حاصل کرنا ہو تو قرآن مجید پڑھ لو۔ قرآن میں جو باتیں بصورت حروف و کلمات بیان ہوئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ان کا عملی نمونہ تھا۔ اس وقت میں آپ کی سیرت طیبہ کے ایک پہلو کا ذکر کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ کا ان لوگوں سے سلوک کیسا تھا جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے کہا۔ ربّنا اٰمنّا بما انزلتَ واتّبعنا الرّسولَ کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تُو نے نازل کیا اور تیرے رسول کے نقشِ قدم پر جسے تو نے ہماری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔

نرمی اور محبت سے پیش آنے کا حکم

اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرمایا :-

واخفض جناحك لمن اتّبعك من المؤمنين۔

کہ اے ہمارے رسول جو تیرے پاس مومن ہو کر آئیں تو ان کے لئے محبت کے بازو جھکا دے۔"

یعنی جیسے ایک پرندہ اپنے بچوں کو اپنے پروں کے نیچے لیکر ان کی پرورش کرتا ہے اسی طرح تو بھی اپنے روحانی بچوں کو اپنی محبت کے بازو کے نیچے لیکر ان کی تربیت کر کیونکہ اب دنیا کی نجات ان کی روحانی تربیت پر موقوف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس ارشاد خداوندی کی تعمیل میں مومنوں سے ایسا محبانہ اور مشفقانہ سلوک کیا جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں پائی جاتی۔

اس مختصر مضمون میں بطور نمونہ مشتے از خروارے چند واقعات آپ کے مومنوں سے محبانہ اور مشفقانہ سلوک کے درج کرتا ہوں۔

صحابہ کو ہجرت کا مشورہ

کفار مکہ کو سب سے زیادہ غصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔ اور وہ آپ کو سب سے زیادہ تکالیف و مصائب کا نشانہ بناتے تھے۔ اور آپ کے قتل کرنے کے لئے خفیہ منصوبے اور تدبیریں کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کے صحابہ پر بھی بے پناہ مظالم کئے جاتے تھے۔ آپ پر کفار کے حملے مومنوں کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ اور وہ آپ سے جوابی حملے کی اجازت بھی طلب کرتے

مگر آپؐ ارشاد خداوندی کے ماتحت انہیں تحمل و برداشت اور صبر کی تلقین فرماتے لیکن مومنوں کو تو تکلیفیں دی جاتی تھیں وہ آپؐ کے لئے بھی ناقابلِ برداشت تھیں اسلئے جب مومنوں پر کفار کے مظالم بہت بڑھ گئے تو آپؐ نے ایک دن اپنے ساتھی مومنوں کو بلوایا اور فرمایا کہ مغرب کی طرف سمندر پار ایک ملک ہے جہاں خدا کی عبادت کی وجہ سے کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ نہ تبدیلیٔ مذہب پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے۔ وہاں ایک عادل اور منصف بادشاہ ہے اسلئے تم لوگ ہجرت کر کے وہاں چلے جاؤ۔ آپؐ کے اس ارشاد پر کچھ مومن مرد اور عورتیں اور بچے ایبے سینیا چلے گئے۔

یہ واقعہ آپؐ کی اس شفقت اور محبت کا آئینہ دار ہے۔ جو آپؐ کے دل میں مومنوں کے لئے پائی جاتی تھی۔ آپؐ نے باوجود اس علم کے کہ کفارِ مکہ سب سے زیادہ مخالف آپؐ کے ہیں۔ آپؐ نے بھڑکتی ہوئی آگ اور مخالفت کے تیز شعلوں میں شہرِ مکہ میں اکیلے رہنا پسند کیا۔ حالانکہ ایسے حالات میں لوگ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو اپنے گرد جمع رکھتے ہیں۔ مگر آپؐ نے اپنے ساتھی مومنوں کو حبشہ جانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ تا وہ کفار کے ظلم و استبداد سے نجات پا جائیں۔ اسی طرح آپؐ نے مومنوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت فرمائی۔ اور خود اس وقت تک ہجرت نہیں فرمائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہجرت کا حکم نہیں فرمایا۔

ماؤں کے احساسات کا خیال

نماز آپؐ کو سب عبادتوں سے پیاری عبادت تھی اور نماز میں مشغولیت کی گھڑیوں کو آپؐ سب سے زیادہ رحمت کی گھڑیاں محسوس کرتے تھے۔ لیکن بچوں کی ماؤں کے احساسات کا خیال آپؐ کے جذبۂ شفقت کو نماز میں بھی اُبھارنے کا موجب ہو جاتا۔ آپؐ فرماتے ہیں:۔

"انی لا قوم فی الصلٰوۃ ارید ان اطول فیھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلاتی کراھیۃ ان اشق علی امّہ"

یعنی میں نماز شروع کرتا ہوں اور میری خواہش نماز لمبا کرنے کی ہوتی ہے لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں، تو میں اپنی نماز کو اسلئے مختصر کر دیتا ہوں، تا رونے والے بچے کی ماں کو تکلیف نہ ہو"

اللہ اللہ! کس قدر شفیق اور مہربان دل آپؐ رکھتے تھے کہ بچے کے رونے سے ماں کی تکلیف کا احساس آپؐ کو نماز میں بھی بے قرار کر دیتا اور آپؐ نماز کو مختصر کر دیتے۔

ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا

پھر آپؐ کی مومنوں سے بے پناہ محبت و شفقت پر مندرجہ ذیل واقعہ بھی روشنی ڈالتا ہے۔ غزوہ اُحد میں دو قبیلے بنی حارثہ و بنی سلمہ میدانِ جنگ سے بھاگ آئے۔ جب جنگ ہو چکی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں کی حفاظت فرمائی تو ان دونوں قبیلوں کے دلوں میں بے حد پشیمانی اور ندامت پیدا ہوئی۔ اور وہ خود اپنے متعلق کہنے لگے "نحن الفرارون" "اے خدا کے رسول، ہم وہ بھگوڑے ہیں جو میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ آئے۔

جب مجسم رحمت و شفقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ ندامت اور پشیمانی کی حالت دیکھی تو آپؐ نے فرمایا۔ لا بل انتم الکرارون۔ نہیں ایسا مت کہو۔ تم بھاگنے والے نہیں بلکہ تم تو دوبارہ کفار پر حملہ کرنیوالے

ہو۔ آپؐ کا یہ پُرمحبت و شفقت جواب ان دلوں کے لئے جو مایوسی اور ندامت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے، ایک نئی زندگی کا پیغام تھا۔

شکستہ خاطر غریب مومنوں کی ڈھارس

غریب مومن بھائیوں سے جس قسم کا محبانہ و مشفقانہ سلوک فرماتے وہ مندرجہ ذیل مثال سے ظاہر ہے۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں سے گزر رہے تھے کہ آپؐ کی ایک غریب صحابی پر نظر پڑی جو ظاہری طور پر بدصورت بھی تھے۔ اور گرمی کے موسم میں بوجھ اٹھا اٹھا کر گرد و غبار اور پسینہ نے ان کو اور بھی بدنما بنا دیا تھا۔ آپؐ نے ان کے چہرے پر افسردگی کی علامات دیکھیں تو آپؐ خاموشی سے اس کے پیچھے چلے گئے اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے جیسے ایک دوست دوسرے دوست کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کرتا ہے کہ بتاؤ میں کون ہوں۔ اس صحابی نے آپؐ کے بازو اور جسم کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اور جان لیا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ معلوم کرکے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے ساتھ اظہار محبت کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے مٹی آلود اور پسینہ سے شرابور جسم کو آپؐ کے لباس کے ساتھ اور زیادہ ملنا شروع کیا۔ آپؐ مسکراتے رہے۔ پھر آپؐ نے مذاقاً فرمایا:۔

"میرے پاس ایک غلام ہے کوئی اس کا
خریدار ہے ؟"

اس پر اس صحابی کی توجہ پھر اپنی طرف پھری اور اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ میں تو اس قابل بھی نہیں کہ غلام سمجھ کر ہی مجھے کوئی خرید لے نہایت افسردگی کے لہجہ میں کہا:۔

"یا رسول اللہ! میرا خریدار دنیا میں کوئی
نہیں ہے"

آپؐ نے فرمایا۔ نہیں نہیں ایسا مت کہو تمہاری قیمت خدا کی نظر میں بہت زیادہ ہے۔

(مشکوٰۃ باب المزاح)

یہ واقعہ ایک عظیم الشان ثبوت ہے اس بات کا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے غریب مومن بھائیوں سے جو محبت و شفقت تھی وہ کسی انسان کو دوسرے انسان سے نہیں ہو سکتی۔

گناہوں کی معافی کا احساس

پھر آپؐ کو مومنوں کے گناہ پر معافی کا اتنا احساس تھا کہ جب کچھ لوگوں نے آپؐ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا۔ تو ان اتہام لگانے والوں میں حضرت ابوبکرؓ کا رشتہ دار مسطح بھی تھا جسے آپؓ پال رہے تھے۔ جب یہ الزام غلط ثابت ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے غصہ میں آکر اُسے خرچ دینا بند کر دیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو سمجھایا کہ گو اس نے غلطی کی اور گناہ کیا مگر آپ کی شان سے بالا ہے کہ ایک بندہ کے گناہ کی وجہ سے اس کے رزق سے اسے محروم کر دیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے پر حضرت ابوبکرؓ پھر اس کی پرورش کرنے لگے۔ اور اُسے خرچ دینا شروع کر دیا۔

یہ واقعہ مومن گنہگاروں سے حضورؐ کی شفقت اور محبت کے سلوک کی غمازی کر رہا ہے۔ آپؐ کی بیوی پر جو اتہام باندھا گیا تھا وہ اس نوعیت کا تھا کہ بہت سے لوگ ایسے آدمی کو قتل کر دیا کرتے ہیں۔ مگر آپؐ کی رحمت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ ایسے شخص کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کو سمجھاتے ہیں کہ آپ جو اس کی پرورش کے لئے خرچ کر رہے ہیں اسے اس سے محروم مت کریں۔ بلکہ اسے خرچ دیتے رہیں۔

سائل کے سوال کو ردّ نہ فرماتے

آپؐ کی یہ عادت تھی کہ جب آپؐ سے کوئی مومن سوال کرتا اور آپؐ اس کے سوال کو پورا کرنے کی مقدرت رکھتے تو آپ ضرور پورا فرماتے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں۔

ما سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیئًا قطّ فقال لا۔

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں آپؐ نے "نہیں" کہا ہو یعنی ہمیشہ سوال کو پورا فرما دیتے۔

احادیث میں آتا ہے کہ آپؐ کے پاس ایک عورت ڈوریے اور حاشیے دار چادر لائی۔ آپؐ نے پسند فرمائی اور آپؐ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ لیکن ایک صحابی نے وہ چادر آپؐ سے مانگ لی۔ تو باوجود اس کے کہ آپؐ نے اسے اپنے لئے پسند فرمایا تھا آپؐ نے اسے عطا فرما دی۔ حاضرین میں سے ایک نے مانگنے والے سے کہا کہ تمہیں یہ چادر مانگنی نہیں چاہیئے تھی۔

"وقد عرفت انہ لا یسأل شیئًا فیمنعہ"

کیونکہ تمہیں معلوم تھا کہ آپؐ سے جب کسی چیز کا سوال کیا جاتا ہے تو آپؐ اسے ردّ کیا نہیں کرتے بلکہ سوال پورا کر دیا کرتے ہیں۔ اسلئے آپ کو اس چادر کو مانگنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔

خادم مومنوں سے نیک سلوک

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا۔ لیکن ما قال لی اُفٍّ قطّ" کہ آپؐ نے مجھے مارنا تو ایک طرف رہا کبھی اُف تک بھی نہ کی۔

"وما قال لشیءٍ صنعتہ لم صنعتہ"

اور نہ ہی آپؐ نے مجھے کسی چیز کے متعلق جسے میں نے کیا ہو یہ فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔"

اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

"ما ضرب شیئًا بیدہٖ قطّ الا ان یجاھد فی سبیل اللّٰہ ولا ضرب خادمًا ولا امرأۃً"

یعنی آپؐ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے چوٹ نہیں لگائی سوائے اس کے کہ آپؐ جہاد کر رہے ہوں۔ اور نہ ہی آپؐ نے کسی خادم کو مارا اور نہ عورت کو۔"

الغرض اپنے خادموں سے بھی آپؐ کا سلوک نہایت محبت و شفقت کا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت انسؓ نے مدینہ اور اہلیانِ مدینہ کی حالت کا جو نقشہ کھینچا وہ ہر مومن کی قلبی حالت کا ترجمان تھا۔ آپؓ نے فرمایا۔

لما کان الیوم الّذی دخل فیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ اضاء منھا کلّ شیءٍ فلما کان الیوم الّذی مات فیہ اظلم منھا کل شیءٍ۔

(شمائل ترمذی)

یعنی جس دن کہ خدا تعالےٰ کا رسول مدینہ میں داخل ہوا اس دن مدینہ کی ہر شے منوّر ہو کر جگمگانے لگی اور جس دن آپؐ

وفات پا گئے اس دن مدینہ کی ہر چیز تاریک نظر آنے لگی۔

کانَ خُلُقُہ القرآن کا ثبوت

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں آپ کو وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ میں مومنوں سے محبت و شفقت اور رأفت و رحمت کا سلوک کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور آپؐ نے اس ارشاد کی تعمیل میں مومنوں سے ایسی بے نظیر شفقت و محبت کا سلوک کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عرش سے تعریف فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:-

لقد جاءکم رسول من انفسکم
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ
رَحِيمٌ۔

یعنی اے مومنو! تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر نہایت ہی شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہارے لئے خیر کا بہت ہی بھوکا ہے۔ اور وہ مومنوں کے ساتھ نہایت محبت کرنے والا، نہایت شفقت کرنے والا اور ترس کھانے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

اسی طرح فرمایا:-

النبی اولیٰ بالمؤمنین
من انفسھم۔

کہ یہ کامل نبی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں سے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور ان سے اپنی محبت و شفقت میں اتنا بڑھا ہوا ہے۔ کہ وہ خود بھی اپنی جانوں سے اتنی شفقت و محبت نہیں رکھتے۔ گویا مومنوں سے آپؐ کا محبت و شفقت کرنا باپ کے اپنے بیٹے پر محبت و شفقت کرنے سے بھی زیادہ ہے۔

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ کان خلقہ القرآن کہ ہمارے محبوب آقا و مولا حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت معلوم کرنی ہو تو سارا قرآن آپؐ کی سیرت ہے بالکل درست قول ہے۔

دیکھ لو ایک آیت میں آپؐ کو حکم فرمایا۔ واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنین کہ اے رسول آپ اپنے محبت کے پروں کے نیچے ان لوگوں کو جو مومن ہو کر تیرے پاس آئیں لے لے۔ اور آپؐ نے اس حکم کی تعمیل ایسے رنگ میں کی کہ اللہ تعالےٰ نے عرش سے یہ اعلان کیا کہ اے میرے رسول تو نے میرے حکم کی جو میں نے مومن بندوں پر شفقت اور محبت کا سلوک کرنے کے لئے دیا تھا احسن طریق پر تعمیل کر دی۔ اور تو نے اپنے ساتھی مومنوں سے ایسی محبت و شفقت کا سلوک کیا کہ کسی ماں نے بھی اپنے بچے سے ایسا سلوک نہ کیا ہوگا۔ نعم ما قال المسیح الموعود علیہ السلام فی حق سیدہ و مولاہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ؎

آں ترحما کہ خلق از وے بدید
کس ندیدہ در جہاں از مادرے

اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم۔ آمین ✦

رحمۃ للعالمین غیروں کی نظر میں

(از جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل)

(۱) ۱۹۳۰ء میں مصر کے ایک مشہور اخبار نے بڑی محنت سے مختلف ممالک اور مختلف زبانوں کے اعداد و شمار بہم پہنچا کر اس کا تخمینہ شائع کیا تھا کہ "ہر سال محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سیرت پر آپؐ کی پیدائش کے موقعہ پر تمام ممالک اور زبانوں میں جو مختلف رسائل، کتب و پمفلٹ کی صورت میں لٹریچر شائع ہوتا ہے اس کی مجموعی تعداد نو ہزار سے بھی زائد ہے جو دنیا کے راہنماؤں اور مشہور شخصیتوں کے مقابل پر بدرجہا زیادہ ہے۔"

(اللواء جلد ۳ صفحہ ۹۵)

(۲) عظیم الشان کامیابی اور ختم المرسلینؐ کی دعوۃ و تبلیغ کی عدیم المثال ہمہ گیری نے مغربی دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا باب ۱۱)

"انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے یہ الفاظ ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ اور اس اقرار کے بغیر کسی کو چارہ بھی نہیں۔ ہر شخص کو تاریخی واقعات نے مجبور کر دیا ہے کہ وہ چار و ناچار آپؐ کو سب سے زیادہ کامیاب نبی یقین کرے۔" (البلاغ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۱)

(۳) طالسطائی روس کا مشہور مؤرخ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے:-

"حضرت محمدؐ شفیق، متواضع، روشن خیال اور صاحب بصیرت تھے۔ آپؐ لوگوں سے عمدہ برتاؤ کرتے تھے۔ آپؐ کی طبیعت اصلاح اور دینی مباحثات کی طرف شروع سے ہی مائل تھی۔"

موسیو کاسٹن کار لکھتا ہے:- "اسلام درحقیقت ایک اجتماعی مذہب ہے۔ یہ ایک معقول مذہب ہے اس میں تمام وہ چیزیں موجود ہیں جن سے ہمارے اس زمانہ کا تمدن بنا ہے۔"

(۴) امریکہ کے مشہور پروفیسر ہوورڈ نے ڈیلی نیویارک ٹائمز میں لکھا ہے:-

"ہم لوگ خواہ کتنا ہی انکار کریں مگر واقعات کو سامنے رکھ کر یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور اس قوم پر حکومت کر رہا ہے جو تاریکی کے زمانہ میں عیسائیوں کے لئے شمع بنی رہی ہے۔ اور جس نے ہمارے دماغوں کو اپنے علوم و فنون سے سیراب کر دیا ہے۔ اس کی الہامی کتاب قرآن ہے جو روزِ اوّل سے اسی طرح محفوظ ہے۔"

(۵) پروفیسر ایڈورڈ مونٹے کا یورپ کی مسلم شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کی تحقیق اور صاف گوئی ضرب المثل ہے۔ آپ نے اسلام کا بخوبی مطالعہ کیا ہے آپ اپنی کتاب تبلیغ عیسائیت اور مخالف اسلام میں آنحضرتؐ کی سیرت پر لکھتے ہیں کہ "یہ سچ ہے کہ حضرت محمدؐ وجدانِ صحیح اور ذوقِ سلیم کے مجموعہ تھے۔ آپؐ کا دل ایمان کی روشنی سے منور تھا اور آپؐ نے

اس نور کو مسلمانوں کے دلوں میں بھر دیا تھا۔"

(۶) مسٹر اسٹبلی بڑا عالم مصنف "اسپیچز آف محمدؐ (یعنی سیرت نبویؐ پر مقالے) میں لکھتا ہے :-

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت رحم و شجاعت کا حیرت انگیز مجموعہ ہے۔ آپ کئی سال تن تنہا عربوں کی مخالفت کا مقابلہ کرتے رہے۔ آپ اتنے خوش خلق تھے کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے محبت سے پیش آتے۔ غیروں کے ساتھ ہمیشہ شفقت کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی عظیم الشان فیاضی، بہادری و استقلال اور بے غرضانہ محبت بلا شبہ قابل تعریف ہے۔ اور آپ پر عیش پسندی، ظلم وغیرہ کے جو اتہامات لگائے جاتے ہیں ہم تحقیق کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ سب بے بنیاد ہیں۔"

(۷) انگلینڈ کے مشہور رائٹر ٹامس کارلائل اپنی کتاب "ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ" میں لکھتے ہیں :-

"He is by no means the truest of Prophets, but I do esteem him a true one."

"یعنی میں آپ کو سچا تو یقین کرتا ہوں لیکن آپ سب انبیاء سے سچے ہیں۔"

(۸) غیر متعصب مفکرین یورپ میں سے پروفیسر باسورتھ سمتھ ایم۔اے لکھتے ہیں :-

"قرآن مجید جو ایک غیر تعلیم یافتہ اُمّی کی کتاب ہے وہ ایک ہی وقت میں منظوم بھی ہے۔ دعاؤں کی بھی کتاب ہے اور بائیبل بھی ہے۔ اور آج کے دن تک تمام نسلِ انسانی کے ⅙ حصہ لوگوں کی نظر میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور معجزہ خیال کی جاتی ہے۔ جیسا کہ محمد صاحب نے اسے سٹینڈنگ میریکل (دائمی معجزہ) قرار دیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ واقعی ایک معجزہ ہے۔

"A Miracle indeed"

پھر لکھتے ہیں :-

"علم تاریخ میں یہ ایک بے مثال قسم کی بات ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بیک وقت ایک قوم اور ملت کے اور ایک ایمپائر کے اور ایک مذہب کے کامیاب بانی قرار پائے۔"

(۹) جارج برنارڈ شا لکھتے ہیں :-

"He must be called the SAVIOUR OF HUMANITY"

کہ حضرت محمدؐ کو انسانوں کا نجات دہندہ کہنا چاہیئے۔ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس جیسے شخص کو اس زمانہ میں متمدن دنیا کی ڈکٹیٹرشپ سونپی جائے تو وہ اس کی بہت سی مشکلات کے حل میں ایسے طریق پر کامیاب ہو جائے گا جس سے مطلوبہ امن اور سلامتی حاصل ہو جائے۔"

(۱۰) ایک یورپین مشہور محقق PIERRS CRAILITIES لکھتے ہیں :-

"تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں جب سے محمدؐ نے مسلمان ماؤں اور بیویوں اور لڑکیوں کو وہ درجہ اور وہ حرمت و عزت اور مرتبہ دیا ہے جو ابھی تک مغرب کے قوانین میں عورتوں کو عام طور پر نہیں دیا گیا۔"

(۱۱) W. MONTGOMERY WATT. نے دو کتابیں سیرت رسول کریمؐ پر شائع کی ہیں (۱) "محمد ایٹ مکہ" یعنی آنحضرتؐ کی مکّی زندگی کے حالات (۲) "محمد ایٹ مدینہ" مدینہ کے حالات پر اسی سال کتاب شائع کی ہے۔ یہ کتابیں بہت حد تک اپنے اندر ہمدردی کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ اور پہلوں کی نسبت زیادہ تحقیق

رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ اخیر میں انہوں نے آنحضرتؐ پر اعتراضات کا ایک باب باندھا ہے لیکن اعتراضات انہوں نے خود نہیں کئے بلکہ وہ اعتراضات نقل کئے ہیں جو دوسروں کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔ اور پھر اعتراضوں کو رفع بھی کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان کی کافی شہادت نہیں ملتی۔ مثلاً حضرت زینبؓ والے واقعہ کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ یہ فضول بات ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رسول کریمؐ نے ایک دفعہ انہیں ایسی حالت میں دیکھا کہ آپؐ ان پر عاشق ہو گئے۔ زینبؓ ان کی پھوپھی زاد بہن تھی۔ آپؐ اُن کو بچپن سے جانتے تھے۔ پردے کے احکام بعد میں اُترے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ ایک وقت اچانک انہیں دیکھ کر آپؐ اُن پر عاشق ہو گئے۔ یہ بہت بیہودہ بات ہے۔"

پھر لکھا ہے کہ "محمدؐ کے اخلاق اور آپؐ کی سیرت والے انسان کے متعلق ایسی بات کون مان سکتا ہے ...."

کارلائل نے بھی آنحضورؐ کی سیرت پر ایک مقالہ لکھا تھا جو بہت تعریفی رنگ میں تھا۔ اس نے یہاں تک صاف کہہ دیا ہے کہ "محمدؐ نہ غلطی خوردہ ہے نہ مفتری"۔ تو یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ پھر وہ اپنے دعویٰ میں راستباز اور صادق تھے۔

(۱۲) A. J. ARBERRY پروفیسر عربی کیمبرج یونیورسٹی نے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعض پہلوؤں کی تعریف کی ہے۔

(۱۳) KENNETH CRAGG. جرنل مسلم ورلڈ امریکہ کا ایڈیٹر ہے۔ اس نے "کال آف دی مرٹ" کتاب لکھی ہے۔ یعنی مینار سے اذان۔ اس نے رسول کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شہادت دی ہے اور حضرت محمدؐ کی رسالت اور قرآن کریم کے متعلق عمدہ بیان کیا ہے۔

(۱۴) اطالوی خاتون واگ لی ایری جو نیپلز یونیورسٹی میں عربی کی پروفیسر ہے۔ اس نے کتاب "اپالوجی آف اسلام" لکھی۔ جس کا انگلش ترجمہ "انٹروڈکشن آف اسلام" ہے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے عشق میں ڈوبی ہوئی کتاب ہے .... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس رنگ میں پیش کی گئی ہے کہ اس شخص کی زندگی قرآن کا نمونہ ہے۔ (ملخص از تقریر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سنہ ۱۹۵۶ء)

(۱۵) لالہ گنور سنگھ چیف جسٹس کشمیر نے ۲۴ر جون سنہ ۳۲ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:
"حضرت محمدؐ صاحب سچے نبی تھے۔ آپؐ کی سیرت کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ توحید اور مساوات آپؐ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔"

(۱۶) پروفیسر شانتا رام ایم۔ اے انڈا کالج بمبئی نے لکھا ہے:۔

"محمدؐ صاحب ایسے مہا پُرش تھے کہ اُن کے مقابلہ کا دوسرا اوتار روئے زمین کی تاریخ میں نظر نہیں آیا۔ مہرشی حضرت محمدؐ بہت بڑے ریفارمر ہیں۔ آپؐ نے ہی اخلاق، محبت و مساوات کی روشنی پھیلائی۔ اور غریبوں کی مظلومیت کا خاتمہ کر دیا۔"

مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، سروجنی نائیڈو، مسٹر مارکس ڈاڈ، برٹنگوو۔ پنڈت گوپال کرشن ایڈیٹر بھارت بمبئی۔ لالہ رام چند ایڈووکیٹ ایسے ہزاروں لوگوں نے آنحضرت کی سیرت بہت عمدہ لکھی ہے۔

منظومات

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(از جناب مولوی مصلح الدین احمد صاحب راجیکی مرحوم)

مقامِ شفیع الوریٰ اللہ اللہ		خدا خود ہے محوِ ثنا اللہ اللہ
جسے بیکس و بینوا سب نے سمجھا		وہ نکلا شہِ دوسرا اللہ اللہ
ہوا ہے نہ ہوگا زمانے میں پیدا		مشیّت کا یہ مُدعا اللہ اللہ
خداوندِ عالم ہے مشتاق جس کا		محمدؐ ہے وہ دلرُبا اللہ اللہ
یہ وہ سحر تھا جس نے برقِ تپاں کو		دیا ذوقِ آبِ بقا اللہ اللہ
ہزاروں ہوئے باخدا پھر بھی سب میں		محمدؐ ہی ہے مصطفےٰ اللہ اللہ
ہوا لِیْ مَعَ اللّٰہ وقتٌ سے ظاہر		عروجِ حبیبِ خدا اللہ اللہ
بنامِ محمدؐ ہی آخر ہوئی ہے		غمِ لادوا کی دوا اللہ اللہ
ترے دم قدم سے معطر ہے اب تک		حریمِ جہاں کی فضا اللہ اللہ

یہی سرفرازی ہے اس خشک تر میں
کہ مصلحؔ ہے تیرا گدا اللہ اللہ

تیرے ہی جام سے ملتی ہے حیاتِ اُمم

(از جناب مولانا ظفر محمد صاحب ظفرؔ - مولوی فاضل، منشی فاضل)

تجھ پہ قرباں مری جان رسولِ عربی
کیا ہی اونچی ہے تری شان رسولِ عربی

تجھ سا پیدا نہ ہوا اور نہ ہوگا کوئی
تیری یکتائی پہ قربان رسولِ عربی

دُور سے دیکھا جسے چشمِ کلیم اللہ نے
تُو ہے وہ جلوۂ فاران رسولِ عربی

ذاتِ واجب کے سوا فوق ترے کچھ بھی نہیں
غایتِ عالمِ امکان رسولِ عربی

تیرے ہی جام سے ملتی ہے حیاتِ اُمم
ساقیٔ کوثرِ عرفان رسولِ عربی

تیری آمد سے ہوا رحمتِ باری کا نزول
تُو ہے وہ بندۂ رحمان رسولِ عربی

تیرے ہی فیض سے موقوف ہوا وأدِ بنات
محسنِ طبقۂ نسوان رسولِ عربی

یہ بھی اعجاز ہے تیرا کہ شتربانِ عرب
ہوگئے شاہ و جہاں بان رسولِ عربی

سلکِ وحدت میں پروئے تھے جو موتی تُو نے
آج ہیں پھر وہ پریشان رسولِ عربی

آج ہے اُمت تری لہو و تجارت میں مگن
مسجدیں ہوگئیں ویران رسولِ عربی

مغربی فلسفہ محبوب ہے اُمت کو تری
اور مہجور ہے قرآن رسولِ عربی

ہاں دُعا کیجئے گا محیٔ موتیٰ کے حضور
پھر مسلماں ہوں مسلمان رسولِ عربی

غزواتِ النبیؐ میں اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا ظہور

نتیجۂ فکر جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

دُعا کا اہتمام

غزوۂ بدر کا ہے ذکر رسولؐ اکرم — تین سَو تیرہ صحابہ کو چلے کر کے بہم
حال یہ تھا کہ نہ تھا جنگ کا ساماں کافی — دُبلے پتلے۔ متوکل بخدا۔ گنتی کم
اور دشمن کے سب افراد تھے ہر طرح سے لیس — اس پہ غرّہ تھا اُنہیں چار گُنے ہاں ہیں ہم
ایک اللہ پہ بھروسہ تھا مسلمانوں کو — اور ہتھیار دُعاؤں کا توحّد کا عَلَم
کی دُعا پاک نبیؐ نے کہ یہ چھوٹا سا گروہ — گر فنا ہو گیا سَر ہو گئے ان سب کے قلم
کون پھر تیری عبادت بجا لائے گا — کس کو اسلام کی توحید کا یوں ہو گا غم
دیر تک عجز سے رو رو کے دُعا کرتے رہے — گر گئی نیچے ردا۔ بے خودی کا تھا عالَم
بڑھ کے صدیقؓ نے کی عرض یہ کافی ہے حضورؐ — پورا ہو کر رہے گا وعدۂ ربِّ اکرم
ناگہاں غیب سے نصرت کے فرشتے آئے — ظلمتِ کفر مٹی نور فشاں بدرِ اَتَم

تنِ تنہا حملے کا اقدام

مومنو! یاد کرو واقعۂ یومِ حنین — جب ہوا بعض کو یہ فخر بہت سے ہیں ہم
غلطی ہوتی کچھ لوگوں سے قائم نہ رہے — لڑنے والوں کے بُری طرح اُکھڑ گئے قدم
بھاگے جاتے تھے جو اس ایسے پریشان ہوئے — سوجھتا بوجھتا کچھ بھی نہ تھا پُشتیں ہوئیں خم
جوش سے اپنی سواری کو بڑھا کر آگے — تنِ تنہا کہے جاتے تھے رسولِ اکرمؐ
مطّلب کا میں پسر یعنی ہوں عاجز سا بشر — مگر اک بات ہے اللہ کا نبی ہوں ہر دم

لہ اللّٰھم ان اھلکت ھٰذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابداً۔

دحیِ حق سے ہوں مشرف کوئی چھوٹا نہیں ہیں — سرنگوں ہوگا نہ اسلام کا ہرگز پرچم
فتح حاصل ہوئی کفار پہ ہیبت چھائی — مومنوں پر تھا سکینت کا نزول پیہم
یہ شجاعت یہ بسالت یہ نمایاں جرأت — دیکھ کر رہ گئے سب دنگ کسانِ عالم

غلبۂ تام کے باوجود اعلانِ عفوِ عام

فتح مکہ میں ہوئی کفر نے نیچا دیکھا — گونج اٹھی نغمۂ توحید سے پھر ارضِ حرم
لشکرِ اسلام کا چھایا ہوا تھا چاروں طرف — سب تبہ ہوگیا کفار کا وہ خیل و حشم
ہوگیا غلبۂ حق اور زہوق الباطل — بت پرستوں کی مدد کر نہ سکے انکے صنم
جب نظر آئی نہ کوئی بھی انہیں جائے پناہ — سرکشی جاتی رہی گردنیں سب کی ہوئیں خم
سر جھکائے ہوئے دربارِ نبیؐ میں آئے — اور کی عرض لجاجت سے کہ اے نیک شیم
آپ ہیں صادق و مصدوق کریم ابن کریم — سخت نادم ہیں اور آئے ہیں باُمیدِ کرم
سن کے[1] فرمایا نبیؐ نے کہ خدا کی ہے حمد — کامیابی اسی نے بخشی ہے ورنہ کیا ہم
جاؤ آزاد ہو تم پر نہیں کوئی الزام — گرچہ تم لوگوں نے ڈھائے ہیں بہت جور و ستم
ان قصوروں کو تمہارے کرے اللہ[2] معاف — رحم کرنے میں وہی پاک ہے بے شک ارحم
اور دکھلاؤ کہیں ایسی معافی کی نظیر؟ — دشمنوں سے یہ سلوک آپ کا خلقِ اعظم

یہ خطاکار گنہ گار بھی بخشا جائے
یعنی اکمل کہ ہے ادنیٰ سا غلامِ صلعم

---

[1] لا تثریب علیکم الیوم۔
[2] یغفر اللہ لکم۔
[3] اذھبوا فانتم الطلقاء۔

آپؐ ہیں سب کے نیّرِ اعظم صلّی اللہ علیہ وسلّم

(از محترم جناب قیس مینائی۔ کراچی)

حضرتِ اقدس سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم
کل نبیوں کے قائدِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم
دائرۂ کُل محورِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم
انگشتِ نبوّت کے خاتم صلی اللہ علیہ وسلّم
رُوحِ مقدّس جانِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلّم
جسمِ محمدؐ نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلّم
نقشِ قدم تھا زینتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم
آپؐ کے دم سے تھا دمِ آدم صلی اللہ علیہ وسلّم
چشمۂ رحمت چشمِ پُرنم صلی اللہ علیہ وسلّم
آبِ وضو ہے کوثر و زمزم صلی اللہ علیہ وسلّم
مظہرِ قدرت، آیۂ رحمت، رازِ فطرت، سرِّ حقیقت
قاسمِ نعمت مُنعِم و مُنعَم صلی اللہ علیہ وسلّم
صبحِ شریعت، نورِ طریقت، ماحیِ ظلمت، قیّمِ وحدت
دستِ شفقت، ناصر و ہمدم، صلی اللہ علیہ وسلّم
ابرِ دُرافشاں، انجمِ رخشاں، ماہِ تاباں، مہرِ درخشاں
ہر ذرّۂ خاکِ زیرِ قدم صلی اللہ علیہ وسلّم
شافعِ محشر، ساقیِ کوثر، سارے رسولوں کے افسر
ہادیٔ برحق مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم

سر پر آپؐ کے تاجِ رسالت، ساتھ ہے عالمگیر شریعت
ہاتھ میں ہے توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
پیٹ پہ پتھر پشتِ ناقہ، آگے آگے فقر و فاقہ
پیچھے پیچھے جاہ و حشم صلی اللہ علیہ وسلم
غارِ حرا کا منظر، عالم، یادِ خدائے راحم و ارحم
دستِ دعا و دیدۂ پُرنم صلی اللہ علیہ وسلم
وہ خندق، وہ کردارِ عمل، وہ عظمت و شانِ قادرِ عمل
اللہ اللہ کا وشِ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم
ہر ایک نبی اِک دریا ہے، ہر دریا آپؐ میں گرتا ہے
آپؐ ہیں دریاؤں کے سنگم صلی اللہ علیہ وسلم
سارے نبی ہیں چاند ستارے سقفِ فلک پر جیسے منارے
آپؐ ہیں سب کے نیّرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
سارے رسولوں کی تصویریں آپؐ کی صورت میں ہیں پنہاں
کل تصویروں کے ہیں البم صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں مظہرِ ذات و صفاتِ خدا ہیں جلوہ گرِ انوارِ ہدیٰ
آئینۂ صافی عکسِ اتم صلی اللہ علیہ وسلم
آدم سے تا حضرتِ عیسیٰ سب کی دعاؤں کا ہیں نتیجہ
موعودِ ادیانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
حضرتِ آدمؑ سے تا ابن مریم سارے نبی ہیں آپؐ میں مدغم
ہیں آئینۂ قدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
روح سے بڑھ کر جان سے پیارا قیسؔ کی امیدوں کا سہارا
قیسؔ کے زخمِ دل کا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم
از فرشِ زمیں تا عرشِ فلک ہر جن و بشر ہر حور و ملک
اے قیسؔ یہ گاتے ہیں ہر دم صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ صلی اللہ علیہ وسلم

صلِّ علیٰ محمدٍ

(از قلم جناب قاضی محمد یوسف صاحب احمدی قاضی خیل ہوتی ضلع مردان)

یا رب رساں بہ رُوحِ محمد سلامِ ما
صلِّ علیٰ محمدٍ خیر الانامِ ما

او شارعِ شریعت و مولا مطاعِ ماست
او سیّدِ جمیعِ رسل ہم امامِ ما

مہرِ منیر خاتمِ پیغمبران اوست
احمدؑ نبی ست۔ عکس رُخش۔ بدرِ تامِ ما

شمسِ فلک محمدؐ و اصحابِ او نجوم
احمدؑ بداں مثال قمر در نظامِ ما

ما خادمانِ احمدؑ خیر الوریٰ ستیم
انس و ملک کنند ازاں احترامِ ما

ما در حریمِ قرب او آرام یافتیم
نامِ خدا ست وردِ زباں صبح و شامِ ما

حمدِ خدائے را کہ زیُمنِ اطاعتش
شائستہ گشت قول و عمل ہم کلامِ ما

اے مُدّعی تو کوشش ناکام می کنی
"ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما"

از گردشِ زمانہ نداریم ہیچ باک
چرخ بریں چہ چرخ کند بر مرامِ ما

مارا کجاست خوف ز احراقِ نارِ خلق
اللہ کردہ است چو آتش غلامِ ما

خلقِ خدا چو کرد فراموش ذکرِ حق
ہر سُو بلند ذکرِ خدا شد ز بامِ ما

صد سالہ مُردہ زندہ شد از لطفِ لذّتش
چوں نوش کردہ جرعۂ آبے ز جامِ ما

تبلیغِ دیں کنیم بہ اطرافِ شرق و غرب
گیرند قدر داں بصد اخلاص نامِ ما

آناں کہ تنگ گشتہ ز امراضِ کفر و شرک
یابند گو دوا و شفا در خیامِ ما

ما دست بدستِ احمدؑ موعود دادہ ایم
ہر حاسدِ عنید چہ داند مقامِ ما

بدبُوئے مشرکاں نرساند ضرر بہ ما
بدبُوئے شرک می نرسد در مشامِ ما

ما تابعِ خلیفہ و حکمِ خلافت ایم
محکم بدستِ ماست سراپا زمامِ ما

دستورِ کیشِ ما ہمہ قرآنِ اقدس است
از ما دگر مپرس حلال و حرامِ ما

ما خادمانِ خلقِ خدائیم بے غرض
تا آں زماں کہ ہست مقدّر قیامِ ما

یوسف نوشت آنچہ بدل داشت محققی
شاید کہ یادگار بماند کلامِ ما

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی و خارجی مشکلات

(جناب شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ بلادِ عربیہ)

(۱)

اگر الرسول الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور حیاتِ مطہرہ پر یکجائی نگاہ ڈالی جائے تو ہمیں نہایت خطرناک کٹھن مشکلات نظر آتی ہیں جن سے سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو دوچار ہونا پڑا۔ بانیٔ اسلام جس عظیم الشان مشن کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور جس علاقہ میں آپؐ کی بعثت و رسالت کا آغاز ہوا تھا وہ علاقہ اپنے مخصوص اجتماعی، مذہبی اور سیاسی حالات کی وجہ سے سراسر مشکلات و مصائب کا علاقہ تھا۔ یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہر نبی کو مشکلات سے مگر جو مشکلات و مصائب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئی ہیں وہ اپنی نوعیت اور کثرت میں عجائبات اور اسرار کا دفتر رکھتی ہیں۔ بانیٔ اسلام کو کلیۃً ختم کرنے کے لئے مختلف اوقات میں کئی منصوبے اور سازشیں کی گئیں۔ ان خطرناک منصوبوں میں کئی قومی زعماء، حکمران اور بادشاہ بھی شامل تھے۔ کبھی تو آنحضرتؐ کو سب و شتم لعن و طعن اور تمسخر و استہزاء سے تنگ کیا جاتا۔ کبھی آپؐ کو زہر دینے کی کوشش کی گئی۔ کبھی آپؐ کے گھر کا ننگی تلواروں سے محاصرہ کیا جاتا۔ آپؐ پر پتھروں کی بوچھاڑ کر کے آپؐ کو مجروح کر دیا گیا۔ بعض اوقات آپؐ کے تعاقب میں اوباش اور بازاری لڑکوں کو لگایا جاتا جو آپؐ پر آوازے کستے۔ کبھی اعلانِ عام کے ذریعہ آپؐ کے سرِ مبارک کا مطالبہ کیا جاتا جس کے لئے رقم خطیر کا انعام پیش کیا گیا۔ اس وقت کے "بادشاہوں کے بادشاہ" ملک الملوک کسریٰ کی طرف سے آپؐ کے خلاف انتہائی پُر اسرار سازش کی گئی جس کا مقصد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس سازش کے طلسم کو دھوئیں کی طرح اُڑا دیا۔ قیصر و کسریٰ کے حکومتی و شخصی نفوذ نے بھی آنحضرتؐ کے لئے مشکلات میں اضافہ کر دیا تھا۔

یہ مشکلات صرف آپؐ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ آپؐ پر ایمان لانے والے ابتدائی صحابہ کرامؓ کو بھی خطرناک ابتلاؤں اور صدموں سے گزرنا پڑا جس کے پڑھنے اور سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ تاریخِ اسلام کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ جیسی شخصیت عظیمہ کو کھردرے اور موٹے رسوں سے جکڑ کر انتہائی بے دردی سے پیٹا جاتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو کعبہ کے صحن میں بُری طرح مارا جاتا۔ درویش صفت صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کو اس شدت سے پیٹا جاتا کہ بعض اوقات خیال گزرتا کہ آپ کی روح جسمِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ حضرت زبیر بن العوامؓ کو دردناک طریقہ پر ناک میں دھواں دیا جاتا جس سے آپ کا دماغ مختل ہونے کے قریب ہو جاتا۔ یہ وہ اصحاب تھے جو اپنے ماحول میں

اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی نفوذ رکھتے تھے۔ مگر جب ان کے ساتھ یہ سلوک ہوا تو غلاموں کے ساتھ کیا گزرتی ہوگی۔ انسانی روح اس منظر سے کانپ جاتی ہے جب تاریخ میں پڑھا جاتا ہے کہ آنحضرت کے محبوب اور جان نثار مؤذن بلالؓ بن رباح کو عین دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں پتھروں پر لٹا دیا جاتا۔ ہاں وہ دوپہر اور وہ ریت جس کے متعلق بعض یورپین اور انگریز جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک خاص حصہ عرب کے صحراؤں میں گزارا ہے ان کا قول ہے کہ اس گرمی اور ریت میں مچھلی کو بھونا جا سکتا ہے۔ نہ صرف اس پر اکتفا کیا جاتا بلکہ بعد ازاں بلالؓ کو پوری طاقت سے کوڑے مارے جاتے ان کے ہاتھ اور پاؤں کو باندھ کر گرم ریت اور نوک دار پتھروں پر گھسیٹا جاتا۔ ضرب شدید سے ان کو ہلکان کر دیا جاتا اور اللہ اور اس کے رسول اور دین اسلام کے ترک کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ مگر یہ بلالؓ لمبے سانس لے رہے ہیں زبان شدت پیاس سے باہر نکلی ہوئی ہے، جسم پسینے میں لت پت ہے مگر وہ گنگنا کر کہتا ہے:۔

احد! احد!!

یعنی خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔

صہیبؓ رومی۔ خبابؓ بن الارت۔ عمارؓ۔ لبینہؓ اور زنیرہؓ پر جو خونی واقعات اور حوادثات گزرے وہ بھی کوئی کم نہیں ہیں مگر یہ مصائب ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ کر سکے۔ بانی احمدیت علیہ السلام اس صورت حال کا نقشہ یوں بیان فرماتے ہیں ؎

قد حاصہم ظلم الاناس وضیمہم
فتثبتوا بعنایۃ المنّان

یعنی مخالفین اور دشمنوں کے مظالم و مصائب نے صحابہ کرام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر خدا تعالیٰ کی حفاظت سے وہ ثابت قدم رہے۔

(۲)

قریش

آفتاب رسالت کے طلوع ہوتے ہی سب سے پہلے قریش نے آپؐ کی سخت مخالفت کی۔ مختلف وسائل سے آپؐ کو باز رکھنے کی کوشش کی گئی کہ آپؐ دین جدید کی تبلیغ سے رک جائیں۔ قریش نے آنحضرتؐ کو محمدؐ کی بجائے ساحر اور مذمم کہنا شروع کر دیا۔ قریش کے متفقہ فیصلہ اور سکیم کی بنا پر آپؐ کے خلاف عمومی فضا مکدر کر دی گئی۔ قریش کے معروف زعیم عمرو بن ہشام جس کو لیاقت و قابلیت کی بنا پر اور اثر و رسوخ کے پیش نظر ابو الحکم کہا جاتا تھا۔ اس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت سے انتہائی خطرہ لاحق تھا کہ اب میری زعامت و قیادت ختم ہو جائے گی۔ اس نے مخالفت کے تمام ذرائع اختیار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئی مشکلات پیدا کر دیں۔ اس شخص کے نقش قدم پر چل کر عقبہ بن ابی معیط۔ امیہ بن خلف۔ ابی بن خلف۔ نضر بن الحارث وغیرہم بھی حضور رسول مقبول کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ طوفان مخاصمت کے شعلے مکہ کی ہر گلی اور کوچہ سے اٹھ رہے تھے۔ مگر خدا کا نبی اپنا کام کئے ہی جا رہا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس مخالفت میں جب ظاہر کوئی کامیابی نظر نہ آئی تو قریش کے جملہ زعماء بشمول ولید بن مغیرہ۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیانؓ۔ ابوجہل اور عاص بن وائل آنحضرتؐ کے خلاف آگ بگولا ہو گئے۔ اب مخالفت کا پہلو پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر چکا تھا۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندانی وجاہت کے

لحاظ سے معزز ترین فرد تھے اسلئے جملہ زعمار قریش نے آپ کو صحن کعبہ میں آنے کی دعوت دی جس میں سب معاملات کو پیش کرکے حضور سے یہ کہا گیا کہ ہم آپ کی ہر خواہش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر مال، وجاہت اور شادی درکار ہے تو ہم آپ کی جملہ خواہشات پوری کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر سبحان اللہ رحمۃ للعالمین الرسول العربی صلے اللہ علیہ وسلم کا مسکت جواب یہ تھا :-

"بخدا اگر سورج کو میرے دائیں
اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر
بھی رکھ دیا جائے اور پھر یہ
قریش مجھے اس پیغام کی اشاعت
سے روکنا چاہیں تو پھر بھی میں
اس فرض سے ہرگز نہیں رکونگا"

(سیرۃ النبیؐ لابن ہشام)

(۳)

قبائل عرب

رسول خدا قریش کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے فریضۂ اشاعت اسلام میں سرگرم رہے۔ آپؐ نے مختلف قبائل کی طرف رُخ کیا تا کوئی سعید روح اسلام قبول کر سکے۔ چونکہ عربوں میں قبائل کو بہت اہمیت حاصل تھی خصوصاً جس علاقہ میں آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کی طرف خاص توجہ دی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ احد میں آنحضرتؐ کے خلاف قبائل میں سخت اشتعال تھا۔ قبائل کو یقین اور وثوق تھا کہ چونکہ قریش، مسلمانوں اور آنحضرتؐ کے سخت خلاف ہیں اور اگر ہم نے قریش کی تائید میں آنحضرتؐ کے خلاف مشکلات پیدا کر دیں تو مسلمانوں کے نیست و نابود ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کوئی قبیلہ نہیں جو مخالفت پہ نہ تُلا ہوا ہو۔ بلاشبہ یہ فتنہ قریش کی طرف سے ہی پیدا کردہ تھا مگر قبائل کی اپنی طاقت بھی کم نہ تھی۔ تمام قبائل میں اشتعال پھیلا دیا گیا تھا۔ دراصل قبائل قریش کی تائید کرکے اپنے لئے بلند مقام اور پوزیشن حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ قریش اور دیگر قبائل کے باہمی معاہدات حمایت و مودت تھے اسلئے بھی ان کو پورا کرنا ضروری تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اس امر سے خوب واقف تھی کہ قبائل عرب اگر قریش کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو دوسری طرف وہ قبائل قریش کے نہ صرف تجارتی نفوذ کو ختم کرکے ان پر کاری ضرب لگا سکتے ہیں بلکہ ان کے سیاسی نفوذ کو بھی ختم کر سکتے ہیں۔ اس طرح مکہ اور مدینہ کے اندرونی حالات کو ناگفتہ بہ بھی بنا سکتے ہیں۔ قریش کے تجارتی قافلوں کو قبائل بخوبی روک سکتے ہیں۔ بعض انگریز مصنفین اور مستشرقین نے قبائل کی طاقت اور نفوذ کے متعلق تحریر کرتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ داخلی اور بیرونی طاقت کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے قبائل کا وجود انتہائی مفید تھا۔ یہ قبائل اپنے پڑوسی ممالک سے بھی تعلقات رکھتے تھے۔ مگر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قبائل کی مخالفت اپنے اندر عظیم الشان جاذبیت اور تاثیر کو لئے ہوئے تھی۔ تمام قبائل مخالف و موافق نظریات سے واقف ہوگئے بعض سعید روحیں ایسی بھی تھیں جو آنحضرتؐ کے ساتھ محبت اور اخلاص کا اظہار کرتیں۔ الغرض بلاشبہ قبائل نے آنحضرتؐ کے راستہ میں سخت مشکلات پیدا کیں مگر یہ مشکلات ہی بعد میں اسلام کی طاقت اور اس کیلئے

برکات کا باعث ہوئیں۔

(۴)

یہود کے منصوبے

پیہم مشکلات و مظالم کی وجہ سے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو یہاں حضورؐ کو ایک انتہائی خطرناک گروہ سے واسطہ پڑا۔ یہ گروہ یہود کا تھا۔ تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ اقتصادی اور تجارتی مرکز یہود کا مدینہ منوّرہ میں تھا مگر اس نفوذ کا اثر مجموعی طور پر یہود کے حق میں ہر جگہ ہی نظر آتا ہے۔ سودی کاروبار پر ان کا قبضہ تھا۔ زراعت اور تجارت میں یہ پیش پیش تھے۔ عرب کے جملہ تجار اُن کے دستِ نگر تھے۔ انصار ہمیشہ ہی ان کے مقروض رہتے اور انکے رحم پر ان کی گزران ہوتی۔ مدینہ کے تین یہودی قبائل بنی قینقاع۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ خاص شہرت رکھتے تھے۔ اور یہ تینوں ہی طاقتور اور صاحبِ نفوذ تھے۔

جنگ احزاب میں قبائل اور قریش نے صرف اور صرف مدینہ کے یہودیوں کی انگیخت پر جنگ کی۔ ان یہودی قبائل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے ہوئے معاہدات و مواثیق سے نہ صرف روگردانی کی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کے لئے آپؐ کو ایک دفعہ کھانے میں زہر بھی دیدیا تھا مگر نصرتِ خداوندی آپؐ کے شاملِ حال رہی اور آپؐ نے پہلے ہی لقمہ میں زہر کا اثر محسوس کر لیا اور خدا تعالےٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

کعب بن الاشرف مشہور یہودی شاعر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایسا طوفانِ مخالفت اٹھایا کہ عرب کی جملہ اقلیتیں اور قبائل آپؐ کے خلاف ہو گئے۔ کعب بن الاشرف کے کلام اور شاعری کی اتنی شہرت اور دھوم تھی کہ علماءِ یہود اس کو بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس لئے اس شخص نے اپنی اس پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بانیٔ اسلام کے خلاف خطرناک محاذ قائم کیا۔ ہر یہودی کے قلب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض و کینہ تھا جس کے نتیجہ میں کئی جنگوں میں یہود نے قریش۔ قبائل۔ منافقین اور مشرکین کی مدد کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکلات میں اضافہ کیا۔ جاسوسی کے ذریعہ قریب کے علاقہ کی حکومتوں کو مسلمانوں کے متعلق خبریں ارسال کرتے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ سب سے بڑا خطرہ مدینہ منورہ میں آنحضرتؐ کو یہود سے ہی تھا۔

اس مشکل کا حل آنحضرتؐ نے جہاں انتہائی حکمت سے فرمایا وہاں حضورؐ نے جو عظیم الشان سلوک یہود کے ساتھ کیا وہ تاریخ میں آبِ زر سے لکھا گیا ہے اور بانیٔ اسلامؐ کے بلند اخلاق کی یہ ایک درخشاں مثال ہے۔

اس مشکل کا حل آنحضرتؐ نے یوں فرمایا کہ ان یہود کا مدینہ میں رہنا خطرہ سے خالی نہیں اور ان باہمی جنگ و جدال کو ختم کرنے کے لیے آنحضرتؐ نے یہود کو شام کی طرف بھیج دیا اور نہایت حفاظت سے ان کو روانہ کیا۔ حالانکہ یہود نے بعض ایسے خطرناک منصوبے کئے تھے کہ اگر ان کے ساتھ برابر کا سلوک ہوتا تو موسوی شریعت کی رُو سے یہ خطرناک گروہ واجب القتل تھا۔ (دیکھو استثناء آیت ۲۰/۱۲ تا ۱۴) واضح رہے کہ فیصلہ بالا مشہور لیڈر سعد بن معاذ نے کیا جو یہودیوں کے حلیف قبیلہ اوس کے لیڈر تھے۔ اور سعد کا فیصلہ تورات کے مطابق تھا۔ جو ہرگز یہود کے لیے ناقابلِ قبول نہیں ہو سکتا تھا۔

(۵)

مشرکین

بانیٔ اسلام کی بعثت کے وقت سارا عرب شرک کی بیماری میں مبتلا تھا۔ صرف خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت تھے جن کی پُوجا لیل و نہار ہوتی تھی۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم خالص توحید کی منادی کرنے آئے تھے۔ حالات ناسازگار تھے۔ بظاہر یہی کہا جا سکتا تھا کہ توحید اس علاقہ میں نہیں پنپ سکتی۔ مگر وہ توحید جس کی ابتدائی کرنیں مکہ اور مدینہ سے نمودار ہوئیں اس نے نہ صرف سارے عرب کو روشن کیا بلکہ ساری دُنیا پر اس توحید کی اشاعت ہوئی۔ کتاب "الاصنام" میں ان تمام بُتوں کے نام تحریر ہیں جو کعبہ میں موجود تھے۔ ہم صرف چند اسماء تحریر کرتے ہیں۔

ھُبَل۔ جملہ عرب قبائل اس کی دل و جان سے عظمت کرتے تھے۔ یہی وہ بُت ہے جس کا نعرہ ابوسفیان نے جنگ اُحد میں بلند کیا تھا۔ وڈ۔ سواع۔ نسر۔ یغوث۔ یعوق۔ لات۔ عبعب۔ فلس۔ دوّار۔ اساف۔ نائلہ۔ عزیٰ۔ مناۃ۔ عم انس۔ شعیر۔ بھثم۔ ذوالشریٰ۔ سعد وغیرہا۔ ان کے معانی بھی الگ الگ ہیں اور ہر قبیلہ کا الگ الگ بُت تھا۔ ان میں سے بعض بُت انتہائی قیمتی تھے جن کو بڑے بڑے مشہور ماہرین نے تراشا تھا۔ ان بتوں نے عربوں کا ماحول سخت خراب کر دیا تھا۔ میور اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" صفحہ ۱۵ میں تحریر کرتے ہیں "ان کا مذہب بدترین قسم کی بُت پرستی تھا۔" مگر قرآن کریم نے ہستی باری تعالےٰ کے دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ اب ہم پیشگوئی کرتے ہیں کہ:۔

ضعف الطالب والمطلوب

کہ یہ اصنام و احجار اور ان کے پجاری کلیتہً عاجز آجائیں گے۔

اور اس کے مقابل میں:۔

جاء الحق و زھق الباطل

حق کی فتح ہوگی اور یہ اصنام
هباءً منثورًا ہو جائیں گے۔

مکہ فتح ہوا اور یہ تمام بُت خانہ کعبہ سے مسمار کر دیئے گئے۔ ان بُتوں کی وجہ سے ہر طرف ظلمت و تاریکی تھی۔ مختلف اوہام اور وساوس میں عرب لوگ مبتلا تھے۔ اسی ظلمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مؤسس احمدیتؑ فرماتے ہیں ؎

فی وقت ترویق اللیالی نوّروا
واللہ نجّاھم من الطوفان

یعنی اہل عرب راتوں کی تاریکی میں روشن کیے گئے اور اللہ تعالےٰ نے ان کو اس ضلالت و ظلمت کے طوفان سے نجات عطا فرمائی۔

ان مشرکین نے آنحضرتؐ کے دعویٰ کی اشاعت میں کئی روکیں پیدا کر دی تھیں مگر آنحضرتؐ کے وعظ و نصیحت نے ان پر ایسا اثر فرمایا کہ وہی بُتوں کے پجاری پانچ وقت خدا تعالےٰ کے حضور خشوع و خضوع سے کھڑے ہونے والے اور باخدا ہو گئے۔ ان کا ورد اللہ اکبر! اللہ اکبر! ہو گیا۔

(۶)

منافقین

بعض لوگ جو بظاہر مسلمان تھے مگر اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ان کے ایمان میں وہ عملی جذبہ موجزن نہ تھا جس کا مطالبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تمام مسلمانوں سے فرماتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر سوسائٹی اور

جماعت میں مختلف افکار و خیالات کے لوگ ہوتے ہیں سب کے ذہنی قوٰی اور استعدادیں یکساں نہیں ہوا کرتیں لیکن اگر ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ ہو تو اس قسم کی حرکت جماعت کے لیے سمِ قاتل ہوا کرتی ہے۔

ابتداء اسلام میں منافقوں نے آنحضرتؐ کے راستہ میں خاصی مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ ان منافقوں کو یہود اور قریش سے بھی مدد ملتی تھی۔ بلکہ بعض حالات میں ان منافقین نے اسلام کے خلاف فضا مکدّر کرنے میں کافی پارٹ ادا کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس خطرہ کے پیشِ نظر اور اسی مشکل کو مدّنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم میں سورۃ "المنافقون" کا نزول فرمایا ہے۔ یہ منافقین ففتھ کالم کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے کئی لیڈر تھے مگر سب سے زیادہ صاحبِ اثر و رسوخ عبد اللہ بن اُبَیّ بن سلول الخزرجی تھا۔ جس نے کہا تھا "لیخرجن الاعزّ منھا الاذلّ" وہ اپنے آپ کو معزز ترین شخصیت سمجھا کرتا تھا اور نعوذ باللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو "اذل" یعنی ذلیل ترین قرار دیتا تھا۔ مدینہ کے باشندوں نے آنحضرتؐ کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے یہاں تک فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنا بادشاہ عبد اللہ بن اُبَیّ کو منتخب کرتے ہیں اور اس کے سر پر تاج رکھنے کا بھی فیصلہ کر دیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آجانے سے یہ بات رُک گئی۔ عبد اللہ بن اُبَیّ کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

قرآن کریم نے ان منافقین کے انجام کے متعلق فرمایا ہے:-

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ
الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ وَّ
الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ
لَنُغْرِیَنَّکَ بِھِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ
فِیْھَآ اِلَّا قَلِیْلًا مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا
ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا
(الاحزاب ع)

کہ یہ لوگ اپنے منصوبوں اور مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے۔ بلکہ یہ لوگ ذلیل ہو جائیں گے اور ان کا انجام خسران ہے۔ یہ منافقین اندرونی دشمن تھے اور کئی اقسام کی مشکلات میں اضافہ کا باعث تھے۔ گو عبد اللہ بن اُبَیّ کی وفات کے بعد منافقین کا زور ختم ہو گیا مگر پھر بھی وہ کبھی کبھار مشکلات پیدا کر دیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ علی الاعلان منافقین کا نام لے کر سب کو آگاہ کر دیا تاکہ لوگ ان کی شرارت سے آگاہ رہیں۔ اور آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی ان منافقوں کا نفوذ ختم ہو گیا۔ حضورؐ کی وفات پر بعض منافقین نے انصار اور مہاجرین کے درمیان افتراق اور انشقاق پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور کافی حد تک میدان تیار کر لیا گیا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کے عظیم الشان موقف نے اس فتنہ کا قلع قمع کر دیا۔ قرآن کریم میں منافقین کے فتنہ اور ان کی طرف سے مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رحمۃٌ للعالمین کا سلوک ان اندرونی دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی کا ہی تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن اُبَیّ کی نماز جنازہ پڑھی بلکہ اپنی قمیص مبارک بھی اس منافق کی وفات پر دے دی جو اس کے جسم پر تکفین کے وقت پہنائی گئی۔

(۷)

چار جھوٹے دعویدار نبی

مسیلمہ۔ سجاح۔ الاسود العنسی۔ طلیحہ الاسدی۔

اب جزیرہ عرب میں اسلام کو امتیازی پوزیشن حاصل ہو چکی تھی۔ ہر طرف توحید کے علمبردار اور عشاقِ رسولؐ

نظر آتے تھے۔ کافی حد تک داخلی مشکلات ختم ہو چکی تھیں۔ قبائل کے قبائل برغبت اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مگر اپنے نفوذ اور زعامت کے بعض دعویداروں کو اسلام کی ترقی سے سخت بغض تھا بلکہ ایسے اشخاص نے اندرونی طور پر فتنہ برپا کرنا شروع کر دیا۔ ایسے اشخاص کی زعامت کلیۃً ختم ہو چکی تھی۔ ہر مجلس اور سوسائٹی میں الرسول الاعظم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ہوتا۔ اس حسد نے ان کو مختلف اور عجیب منصوبوں میں مبتلا کر دیا چنانچہ مشہور قبیلہ بنی حنیفہ جو عیسائی تھا اور علاقہ یمامہ کے بعض باشندوں نے ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

بنی حنیفہ میں ایک شخص مسیلمہ نامی تھا جو اپنی قوم کا سردار تھا۔ اور یہ شخص غیر معمولی طور پر ذہین تھا۔ اپنے اسی اثر و رسوخ کی بنا پر وہ دراصل دل سے کما حقہٗ آنحضرت پر ایمان نہ لایا تھا۔ چونکہ اس کے اندر انانیت تھی اور زعامت کی خواہش موجزن تھی۔ اس لئے قبول اسلام کے بعد مسیلمہ نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ آپؐ مجھے اپنے بعد اپنا نمائندہ منتخب فرما دیں۔ حضورؐ کے دستِ مبارک میں اس وقت کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تو اس چھڑی کا بھی مطالبہ کرے تو تجھ کو نہیں دی جائیگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق ایک رؤیا دیکھا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنگن ہیں جن کو آپؐ ناپسند فرماتے ہیں۔ آپ نے پھونک مار کر ان کو اُڑا دیا۔ اس خواب کی تاویل میں آپؐ نے فرمایا کہ اس سے مراد مسیلمہ الکذاب اور اسود عنسی ہیں جو ذلیل اور رسوا ہو جائیں گے۔ یہ شخص حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ختم کر دیا گیا۔ اس نے اپنے ارتداد کا اعلان کر کے اسلام کو ختم کرنا چاہا تھا اور آنحضرتؐ کی رسالت کو باطل کرنا چاہتا تھا مگر خود ذلیل ہو گیا۔

اسی طرح اسود عنسی نے دعویٰ کیا کہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ یہ شخص اپنے آپ کو جبرئیل اور میکائیل فرشتوں سے تشبیہہ دیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ابتداء میں چند ایک آدمی مل گئے تھے مگر یہ شخص ہر وقت نشہ میں رہا کرتا تھا۔ اسی حالت میں اس نے ایک مسلمان عورت کا اغوا کر لیا تھا اور اس عورت کے خاوند کو اس نے قتل کر دیا تھا اس لئے خود قتل ہوا۔

طلیحۃ الاسدی نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر بعد ازاں بانیٔ اسلامؐ کے زمانہ میں ہی مرتد ہو گیا۔ اس کی اتباع زیادہ تر قبیلہ غطفان کے لوگوں نے کی۔ اس قبیلہ کے لیڈر عیینۃ ابن حصن الفزاری نے اس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف کافی فتنہ پیدا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت خالدؓ بن ولید کو اس فتنہ کے ختم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا جس میں آپ کامیاب ہوئے۔ چنانچہ طلیحہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اور جنگ قادسیہ میں اس نے مسلمانوں کے حق میں بعض اہم کارنامے سر انجام دیئے۔

سجاح۔ ایک عورت بنی تغلب قبیلہ سے تھی۔ انتہائی ذہین تھی۔ بعض مورخین نے تحریر کیا ہے کہ یہ عورت عیسائیت کی عالمہ و فاضلہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے دعویٰ نبوت کر دیا۔ بنی تغلب اور بعض دوسرے قبائل میں اس کے کافی متبعین اور پیرو ہو گئے تھے۔ یمامہ میں اس کو مسیلمہ الکذاب کی مدد مل گئی۔ مگر مسیلمہ الکذاب کے قتل ہونے کے بعد سجاح مسلمان ہو گئی اور اس کا فتنہ از خود ختم ہو گیا تھا۔

الغرض ان جھوٹے دعویدار نبیوں نے جن کو عربی اور تاریخی اصطلاح میں "الکذابون الاربعۃ" کہا جاتا ہے۔ کافی اندرونی مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ مگر آنحضرتؐ کے حسنِ تدبیر نے اس فتنہ کو بخوبی ختم کر دیا۔

اِس حدتک ہم نے قارئین کے سامنے ان داخلی مشکلات کا ذکر کیا ہے جو آنحضرتؐ کو پیش آئیں اب ان دو مشکلات کا ذکر کیا جاتا ہے جو خالصۃً خارجی تھیں۔ ان دو مشکلات سے مراد کسریٰ و قیصر کی سازش سے ہے جو آنحضرتؐ کے خلاف کی گئی تھیں۔

(۸)
شہنشاہ کسریٰ کی سازش

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں صلح حدیبیہ کے بعد مختلف بادشاہوں اور رؤسا کو تبلیغی مکاتیب روانہ کئے۔ جن میں سے قابلِ ذکر مقوقس شاہ مصر، قیصر روم، کسریٰ شاہ فارس، نجاشی شاہ حبشہ ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے عرب کا محلِ وقوع ان بادشاہوں کی حکومتوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں جو خط آپؐ نے کسریٰ شاہ فارس کو روانہ کیا۔ اس کا مضمون یہ تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمّد رسول اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس
سلام علیٰ من اتّبع الھدیٰ واٰمن باللہ ورسولہ
ولیشھد ان لا الٰہ الّا اللہ وحدہ لا
شریک لہ وانّ محمّدًا عبدہ و
رسولہ ادعوک بدعایۃ اللہ
فانّی رسول اللہ الی النّاس
لانذر من کان حیّا ویحقّ القول
علی الکافرین اسلم تسلم فان
تولّیت فعلیک اثم المجوس"

(تاریخ الخمیس)

ترجمہ:۔ مَیں خدا تعالےٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بغیر مانگے رحم کرنے والا ہے۔ اور محنت کا پھل دینے والا ہے۔ یہ مکتوب محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے شاہ فارس کسریٰ کی طرف ارسال ہے۔ جو شخص ہدایت کی اتباع کرتا ہے اور خدا تعالےٰ اور رسولِ خدا پر ایمان لاتا ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے سوا اور کوئی قابلِ عبادت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور یہ محمدؐ خدا تعالےٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہے اس پر اللہ تعالےٰ کی سلامتی ہو۔ اے بادشاہ! مَیں آپ کو خدا تعالےٰ کے پیغام کی طرف بُلاتا ہوں۔ مَیں دُنیا کی طرف رسولِ خدا بنا کر بھیجا گیا ہوں تا مَیں ہر زندہ انسان کو بیدار کر دوں اور کفر کرنے والوں پر حجت پوری ہو جائے۔ اے شاہِ فارس! آپ اسلام کو قبول فرمائیں۔ اسی میں آپ کی سلامتی ہے۔ لیکن اگر آپ اس دعوت سے روگردانی کریں گے تو آپ کے ذمہ باقی مجوس کا گناہ بھی ہوگا۔"

اللہ اللہ!! یہ وہ عظیم الشان پوزیشن ہے جو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہِ فارس کسریٰ کے سامنے اختیار کی۔ کیسا ایمان افروز نمونہ ہے؟ کس طرح توحید کی طرف ایک بُت پرست بادشاہ کو بُلایا جا رہا ہے؟۔ رسالتِ محمدؐ کی غرض اور مقصد کو کس قدر اجمال میں پیش کیا جا رہا ہے؟ مذہب اسلام کے فلسفہ کو کس اچھے اسلوب اور حسن وجمال سے پیش فرمایا ہے؟ ایمان نہ لانے کی صورت میں کس قدر خطرناک نتائج ہوں گے؟ ان عواقب کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

یہ ہے بلاغتِ رسولؐ اور یہ ہے فصاحت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ ہے خیر الکلام ما قلّ ودلّ کا نمونہ۔

اس مکتوب کو حضور ؐ کے ایک صحابی حضرت عبداللہؓ بن حذافہ لے کر گئے تھے۔ آپ کی ہدایت تھی کہ اس خط کو کسریٰ کے نائب السلطنت بحرین کے رئیس کے پاس پہلے بھجوایا جائے۔ اس کے توسط سے یہ خط کسریٰ کی خدمت میں پیش ہو۔ جونہی کسریٰ نے یہ خط اپنے ترجمان کے ذریعہ سُنا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ کبر، انانیت اور شاہی غرور اس پر دفعۃً سوار ہو گیا۔ ایک آتش پرست بادشاہ یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس کو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے خط تحریر کیا جائے۔ نیز اس کے نام سے پہلے بھی کسی اور کا نام ہو۔ اس غیظ و غضب میں اس نے آنحضرت ؐ کے اس مکتوب مبارک کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی فوراً اپنے گورنر آف یمن باذان کے نام ایک حکم بھیجا کہ عرب کے جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسے گرفتار کر کے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ گورنر نے اس حکم کی تعمیل میں دو معتمدین کو فوراً بھیجا۔ فارس کے حکام عربوں کو ہمیشہ ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لئے اس جذبۂ حقارت نے جلتی پر تیل کا کام دیا۔ یہ دونو معتمدین یمن سے روانہ ہو کر طائف پہنچتے ہیں۔ انہوں نے اہلِ طائف سے آنحضرت ؐ کے متعلق بعض معلومات دریافت کیں۔ ان کی باتیں سُننے کے بعد ان سپاہیوں نے اپنی خاص مہم کا راز فاش کرتے ہوئے کہا کہ ہم محمد ؐ کو گرفتار کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ قریش اور دوسرے معاندین خوشی کے مارے اُچھلنے لگے اور کہنے لگے:-

"قد نصب ملك الملوك لمحمد"

کہ شہنشاہ کسریٰ نے محمد ؐ کو ختم کرنے کیلئے کامیاب منصوبہ تیار کیا ہے۔"

ان دو معتمدین نے جب یہ پیغام آنحضرت ؐ کو دیا۔ تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ آج یہاں قیام کریں۔ دوسرے روز آنحضرت ؐ نے خدا تعالیٰ سے وحی پا کر ان کو فرمایا:-

"ابلغا صاحبكما ان ربي قتل ربه في هذه الليلة"

یعنی گورنر یمن باذان کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میرے سمیع خدا نے آج کی رات کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔"

اللہ! اللہ!! یہ کیسا عظیم الشان منظر ہے شہنشاہ کسریٰ جس کے رعب اور دبدبہ سے تمام بادشاہ خائف اور لرزاں تھے۔ جس کو "ملک الملوک" کے نام سے پکارا جاتا۔ جس کی سلطنت انتہائی وسیع تھی۔ ثروت و دولت کے انبار اس پر نچھاور تھے۔ وہ بادشاہ جس کے خزانہ سے ہزاروں افراد کو وظائف دیئے جاتے۔ وہ مکہ کے ایک یتیم مگر رسولِ خدا کے سامنے جب مقابلہ کے لئے آتا ہے تو اس کی دولت و ثروت اس کے لئے لعنت و تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔

شہنشاہ کسریٰ کے جملہ مظالم کا انتقام ایک لمحہ میں اس کے بیٹے شیرویہ نامی نے اپنے باپ سے لے لیا۔ اس کو قتل کر کے کلیۃً ختم کر دیا گیا اور ساتھ ہی ایک شاہی فرمان گورنر یمن باذان کو ارسال کیا۔ جس میں یہ لکھا تھا:-

"میں نے ملکی مفادات کے پیشِ نظر اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر دیا ہے اس کا رویہ سراسر ظالمانہ تھا۔ ملک کے معزز اور شرفاء کو کثرت سے قتل کرتا جا رہا تھا۔ جونہی میرا یہ نامہ پہنچے تو میرے نام پر اپنے علاقہ کے باشندگان سے اطاعت اور وفاداری کا عہد لو۔ میرے باپ نے جو حکم عرب کے ایک معزز شخص

کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا اس کو
منسوخ سمجھو اور میرے دوسرے نوٹس
کا انتظار کرو۔"

مُلک یمن کا گورنر مسلمان ہوگیا۔ اور یمن میں اس واقعہ کے بعد کثرت سے اشاعتِ اسلام ہوئی۔ اور یمن میں اللہ اکبر اور صلّ علیٰ محمدؐ کا وِرد زبانوں پہ ہونے لگا۔

دراصل کسریٰ نے یہ کارروائی صرف اس لئے کی تھی کہ اس نے آنحضرتؐ کا یہ مکتوب مبارک اپنے لئے خطرہ کا سگنل گمان کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد "کفی اللّٰہ المؤمنین القتال" پھر سچا ثابت ہوا۔

وہ کسریٰ اور اس کی رعایا جو عربوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو اپنا غلام سمجھتے۔ رومی حکومت اور حکومت فارس کی آپس میں ہمیشہ ہی اس معاملہ میں مسابقت رہتی مگر دونوں کی یہ خواہش تھی کہ ہمارا نفوذ عربوں میں زیادہ ہوجائے۔ تاکہ عربوں کا میلان ہماری طرف رہے۔ مگر یہ صورتِ حالات کب تک رہتی۔ آج کے اہلِ قلم و اہلِ علم یہ امر لکھنے پر مجبور ہیں کہ بانیٔ اسلام نے عربوں کو سیاسی آزادی بھی عنایت فرمائی۔ اس قسم کے معاہدات و مواثیق کئے گئے۔ تاکہ پڑوس کی حکومتیں عربوں کی طرف رُخ نہ کرسکیں۔ چنانچہ اس صورتِ حال کا نقشہ مشہور مسیحی مصنف اور پادری "غلام مسیح" نامی اپنی مشہور کتاب "کو الف العرب" میں یوں کھینچتے ہیں:۔

"زمانہ زیرِ نظر میں اہلِ عرب کی گزشتہ
شان ہی مفقود نہ تھی بلکہ اس زمانہ میں
خارجی اور اندرونی آفتیں وسط عرب
کی آبادی کا خون چوس رہی تھیں جن سے
خلاصی اور رہائی پانا انسانی عقل و فکر
اور قوت و طاقت کی حدود سے باہر
ہوچکا تھا۔ اہلِ عرب کا اپنے بندھنوں
سے آزاد ہونا اور اپنی آزادی و حرّیت
کو پھر حاصل کرنا واقعی قدرت کے معجزانہ
کام پر منحصر تھا جس کا کوئی حق پسند انسان
ہرگز انکار نہیں کرسکتا۔ چونکہ خدا نے یہ
عظیم الشان کام حضرت مکی و مدنی کی
معرفت کیا تھا اس وجہ سے ہمارے زمانہ
کی ۴۲ کروڑ آبادی عرب اور اس کے
فرزندِ اعظم کی عزت و حرمت کررہی ہے۔"
(ص۱۴۲)

—— (۹) ——

قیصر کی خفیہ تدبیر

بانیٔ اسلام کی بعثت مبارکہ کے وقت عرب کی سیاسی حالت عجیب نازک دور میں سے گزر رہی تھی۔ عرب کے جنوب میں حبشہ کی حکومت تھی اور شمالی علاقہ پر سلطنت روما کا قبضہ و نفوذ تھا۔ یہ دونوں عیسائی حکومتیں تھیں۔ حکومت روما کے نفوذ کے باعث بنو غسان نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ بعد ازاں مختلف حالات کے پیشِ نظر عیسائی مذہب بطور حکمران کے دومۃ الجندل، صحراء فاران، بحرین اور عراق عرب کے بعض علاقوں میں پھیل گیا تھا۔ عرب کے مشرقی جانب سلطنت فارس کا خاصا نفوذ تھا۔ اس طرف کا گورنر اور کلی اختیارات رکھنے والے بعض حکام شاہ ایران کی اجازت اور ایماء سے منتخب ہوا کرتے تھے۔ ویسے عیسائی لوگ علاقہ عرب میں تیسری صدی میں آنے شروع ہوگئے تھے۔ حبشہ کی حکومت کی طرف سے بھی عیسائیوں کو کافی مدد ملتی تھی۔

شمال کی طرف سے رومن حکومت بھی عیسائیت کی اشاعت میں ممد ہوئی۔ کسریٰ اور قیصر کی حدود آپس میں ملحق تھیں۔

اب جبکہ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ؐ کو عرب کے داخلی علاقہ میں مکمل کامیابی ہو چکی تھی۔ اسلام کی نورانی کرنیں ظلمتوں کو پاش پاش کرتی ہوئی عربوں میں اتحاد اور محبت کی رُوح پیدا کر رہی تھیں۔ اب عرب دن بدن مضبوط ہو رہے تھے۔ ان کے تعلقات آس پاس کی حکومتوں سے اب نئے رنگ میں ہو رہے تھے۔ اسلام کی اس ترقی و عظمت سے دونوں حکومتیں، فارس اور روم، خائف تھیں۔

اس جگہ میں اس امر کا بھی اظہار کر دوں کہ یہ دونوں حکومتیں آپس میں سخت عداوت و کینہ رکھتی تھیں۔ باہمی تعلقات ناگفتہ بہ تھے۔ مسلمانوں کی ہمدردی یقیناً اہل کتاب یعنی عیسائیوں سے تھی اور آتش پرست قوم یعنی اہل فارس سے نفرت تھی۔ ان دونوں حکومتوں کے ناگفتہ بہ تعلقات کی بناء پر ان میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس جنگ کا اثر قدرتی اور لازمی طور پر مسلمانوں پر بھی پڑتا تھا۔ یہ وہ نازک وقت تھا جبکہ ایرانی فوجیں رومی حکومت کے مقبوضات و مستعمرات کو ختم کرتی ہوئی قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کر رہی تھیں۔ قریب تھا کہ یہ خطرۂ جنگ روما کی حکومت کو کلیۃً ختم کر دیتا مگر قرآن کریم نے بڑی تحدی کے ساتھ سلطنت روما کے غلبہ کی پیشگوئی فرمائی چنانچہ اس واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں یوں آیا ہے :-

الٓـمّٓ ۝ غلبت الروم ۝ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ۝ فی بضع سنین ۝

(الروم)

یعنی اہلِ روم (قیصر کی فوج) قریب کے علاقہ میں (شام و ایشیائے کوچک کے علاقہ میں) مغلوب ہو گئے۔ وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر دوبارہ چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔"

اِس پیشگوئی کے ساتھ دوسری پیشگوئی یہ تھی :-

یومئذٍ یفرح المؤمنون بنصر اللّٰہ۔

یعنی اس وقت مومن بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔"

چنانچہ یہ عظیم الشان پیشگوئی جن غیر متوقع حالات میں پوری ہوئی وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ چنانچہ جس سال جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اسی سال سلطنت روما اپنے اکثر سابقہ مقبوضات مصر، شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک پر دوبارہ قبضہ کرتی ہوئی ایران یعنی ملک فارس کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ انقلاب قرآنی آیت کے نزول سے سات سال بعد ہوا۔ مسلمان اس کامیابی پر اسلئے خوش تھے کہ قرآن کریم کی ایک پیشگوئی پوری ہو گئی۔ مگر قیصر کے ساتھیوں نے اب دیکھا کہ مسلمانوں کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ کل ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں کیوں نہ فارس کی حکومت کو ختم کرنے کے بعد اب مسلمانوں کو بھی ختم کر دیا جائے۔ اس خدشہ اور خطرہ کے پیش نظر قیصر کے ساتھیوں نے قیصر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اسلام کے خلاف مسلح فوج تیار کر کے بانیٔ اسلام اور اس کے پیروؤں کو ختم کر دیا جائے۔

قیصر کو اس قدر خطرہ لاحق ہو چکا تھا کہ اس نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جملہ وسائل استعمال کئے اور اسلام کے خلاف علم جنگ بلند کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو غسان اور ان قبائل سے جو عیسائی ہو چکے تھے ہر وقت خطرہ لاحق تھا کہ کسی وقت یہ مسلمانوں کے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ خطرہ اپنے وقت پر بالکل ٹھیک

ثابت ہوا۔ چنانچہ یہ خبر آناً فاناً مشہور ہو گئی کہ قیصر نے ایک فوج تیار کی ہے اور اس مہم میں وہ قبائل بھی شامل ہیں جو عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے۔ قیصر کی حکومت نے بہت سے قبائل کے رؤسا کے لئے باقاعدہ گراں قدر وظائف مقرر کر رکھے تھے اسلئے یہ خانہ بدوش قبائل قیصر کے زیر نگین تھے۔ بنو غسان یقیناً ذہین تھے مگر قبائل فوجی لحاظ سے قیصر کی فوج میں بہترین کارنامے سرانجام دے سکتے تھے۔ آنحضرت نے اس نازک حالت کے پیش نظر اور آمدہ خبروں کی بنا پر اسلامی افواج کو ملک شام کی سرحد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ یہ خطرہ نہ صرف مذہبی تھا بلکہ سیاسی لحاظ سے بھی کئی خدشات کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا اس لئے آپ نے تمام عرب قبائل کے سامنے اس خطرہ کی ہولناکی اور اہمیت کو پیش نظر فرماتے ہوئے اس جنگی مہم میں شمولیت کے لئے بلایا۔ قیصر روم کی مسلح فوج سے مقابلہ تھا اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی کم تھے اور وسائل بھی کمزور تھے۔ یہی وہ جنگی مہم ہے جس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے :-

انفروا خفافاً وّ ثقالاً وّجاهدوا
باموالكم و انفسكم فى سبيل
الله ۖ ذٰلكم خير لكم ان كنتم
تعلمون ۝ (التوبہ)

اے مومنو! جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو خواہ تم بے ساز و سامان ہو یا ساز و سامان۔ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ خدا کے راستہ میں جہاد کرو۔ اگر تم جانتے تو تمہارے لئے یہ بہت بہتر ہوتا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک پر فرزندانِ اسلام اور فدائیانِ امت نے لبیک کہا۔ موسم سخت گرم تھا، دوسری طرف فصلوں کے کاٹنے کا وقت تھا اور سفر بہت دُور کا تھا۔ اس لئے ہر شخص کو ان حالات میں سواری درکار تھی۔ کئی صحابہ کی مالی حالت سخت کمزور تھی وہ سواری بھی مہیا نہ کر سکتے تھے۔ اور مقابلہ ایک خطرناک اور طاقتور دشمن سے تھا۔ رومی عربوں کو اس لئے بھی ذلیل سمجھتے تھے کہ یہ تو ہمارے وظیفہ خوار اور کرایہ کے ٹٹو ہیں۔ دوسری طرف بعض کمزور اشخاص اس جنگی مہم میں حصہ لینے سے گریز کر رہے تھے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اس صورتِ حال کا نقشہ یوں کھینچا ہے :-

لو كان عرضاً قريباً و سفراً
قاصداً لاتّبعوك و لٰكن
بعدت عليهم الشقّة۔ (توبہ)

یعنی اگر جلدی ملنے والا فائدہ ہوتا یا چھوٹا سفر ہوتا تو یہ لوگ تیرے پیچھے چل پڑتے لیکن انہیں مسافت دُور معلوم ہوئی۔

اس جنگی مہم میں حضرت عثمان رضؓ نے دس ہزار دینار اور ایک ہزار اونٹ عنایت فرمائے۔ مسلمانوں کی کل تعداد تیس ہزار تھی۔ اِس اسلامی فوج نے ۹ھ میں مدینہ سے شام کی طرف کوچ کیا۔

مدینہ سے تقریباً چودہ منزل پر مشہور مقام تبوک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر قیام فرمایا۔ اسلامی فوج اب بالکل رومی حکومت کی سرحد کے پاس پہنچ گئی تھی۔ (تبوک آجکل ویران ریلوے سٹیشن ہے جو مدینہ اور دمشق ریلوے لائن پر واقع ہے۔ کرنل لارنس مشہور انگریز نے اس ریلوے لائن اور ریلوے پُلوں کو ڈائنامیٹ سے اُڑایا تھا اور عربوں کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ اور ساتھ ہی ترکوں کو کمزور کرنا مقصود تھا)

اب مسلمان بالکل تیار تھے۔ صرف اشارہ کی دیر تھی۔ رومی فوج کے جاسوسوں اور سرحد پر واقع قبائل غسان،

تخم اور جذام وغیرہا نے اس امر کو اب اچھی طرح سے معلوم کرلیا تھا کہ مسلمان مرنے اور مارنے پر تلے ہوئے ہیں خدا تعالیٰ نے غیر معمولی رعب اور دہشت دشمن کے قلوب میں ڈال دی اور وہ مقابلہ پر نہ آیا۔ آنحضرتؐ نے بیس دنوں تک مقام تبوک میں قیام فرمایا۔ چونکہ اب حالات سازگار ہو گئے تھے اور امن قائم ہو چکا تھا اس لئے آپؐ واپس آ گئے۔

آنحضرتؐ کے اس تدبر کی وجہ سے بعض چھوٹی چھوٹی نیم عیسائی ریاستوں اور ان کے حلیف قبائل سے مواثیق مودت اور وفاداری ہو گئے۔ اب یہ خطرہ کافی حد تک دور ہو گیا تھا۔ رومی حکومت جس کی حدود مسلمانوں کی حدود سے ملتی تھیں یہ حالت ہمیشہ ہی خطرہ کا باعث تھی۔ یہ ایک ناقابلِ انکار اور ناقابلِ فراموش حقیقت ہے اور مورخین نے بالکل بجا تحریر کیا ہے کہ اگر سرزمین عرب میں قیصری افواج اور اس کے حلیف قبائل کا داخلہ ہو جاتا تو مسلمانوں کے راستہ میں ناقابلِ برداشت اور نہ ختم ہونے والی مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ اور انتقامی کارروائی جلتی پر تیل کا کام دیتی۔ جس حد تک تاریخ اور جغرافیائی محلِ وقوع کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ رومیوں کی یہ انتہائی کوشش تھی کہ عربوں کو اپنے زیر نگین کر کے فارس کے خلاف جنگی اور استعماری مقاصد کے لئے کام میں لایا جائے۔

خاتمہ

اس قسم کی جملہ مشکلات و مصائب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے فصیح و بلیغ اسلوب میں فرمایا ہے کہ انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے سورۃ الانشراح میں فرمایا ہے:-

الم نشرح لك صدرك ٥ و وضعنا عنك وزرك ٥ الذی انقض ظهرك ٥ ورفعنا لك ذكرك ٥ فان مع العسر يسراً ٥ ان مع العسر يسراً ٥ فاذا فرغت فانصب ٥ والى ربك فارغب ٥

اس مختصر سی سورت میں خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی مشکلات اور کامیابی کا ذکر فرماتے ہوئے تحدی کی ہے

ورفعنا لك ذكرك ٥

تیرے ذکرِ خیر کو ہم نے مشرق و مغرب میں بلند کر دیا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مدبرین و ملحدین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ آیا بانیٔ اسلام نبی تھے یا بادشاہ؟ مگر ایسے لوگ مجبور ہیں۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی جہاں نبی تھے وہاں بادشاہ بھی تھے۔ چنانچہ مسٹر باسورتھ ایم۔ اے تحریر کرتے ہیں:-

"علمِ تاریخ میں یہ ایک بے مثال قسمت کی بات ہے کہ محمدؐ بیک وقت ایک قوم وملت کے اور ایک ایمپائر اور ایک مذہب کے کامیاب بانی قرار پائے۔"

اس سے بڑھ کر یورپ کا مشہور فلاسفر جورج برنارڈ شا بانیٔ اسلام کے متعلق یہ الفاظ تحریر کرنے پر مجبور ہے:-

"He must be called the Saviour of humanity. I believe that of a man like him were to assume

the dictatorship of the modern world he would succeed in solving its problems in a way that would bring it the much needid peace and happiness.
(Geting married)

"اسے انسانوں کا نجات دہندہ کہنا چاہیئے۔ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس جیسے شخص کو اس زمانہ میں متمدن دنیا کی ڈکٹیٹرشپ سونپی جائے وہ اس کی بہت سی مشکلات کے حل کرنے میں ایسے طریق پر کامیاب ہوجائے گا جس سے مطلوبہ امن اور سلامتی حاصل ہوجائے۔"

اس سے بڑھ کر رفعنا لک ذکرک کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ آج بحر الکاہل کے مغربی کنارہ سے دریائے ہوانگ ہو کے مشرق تک رہنے والے باشندے اشہد ان محمدا رسول اللہ کی حیات بخش ندا سے جام کوثر پی رہے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم ؂

سرسری خاکہ جس کا تعلق اس مقالہ سے ہے

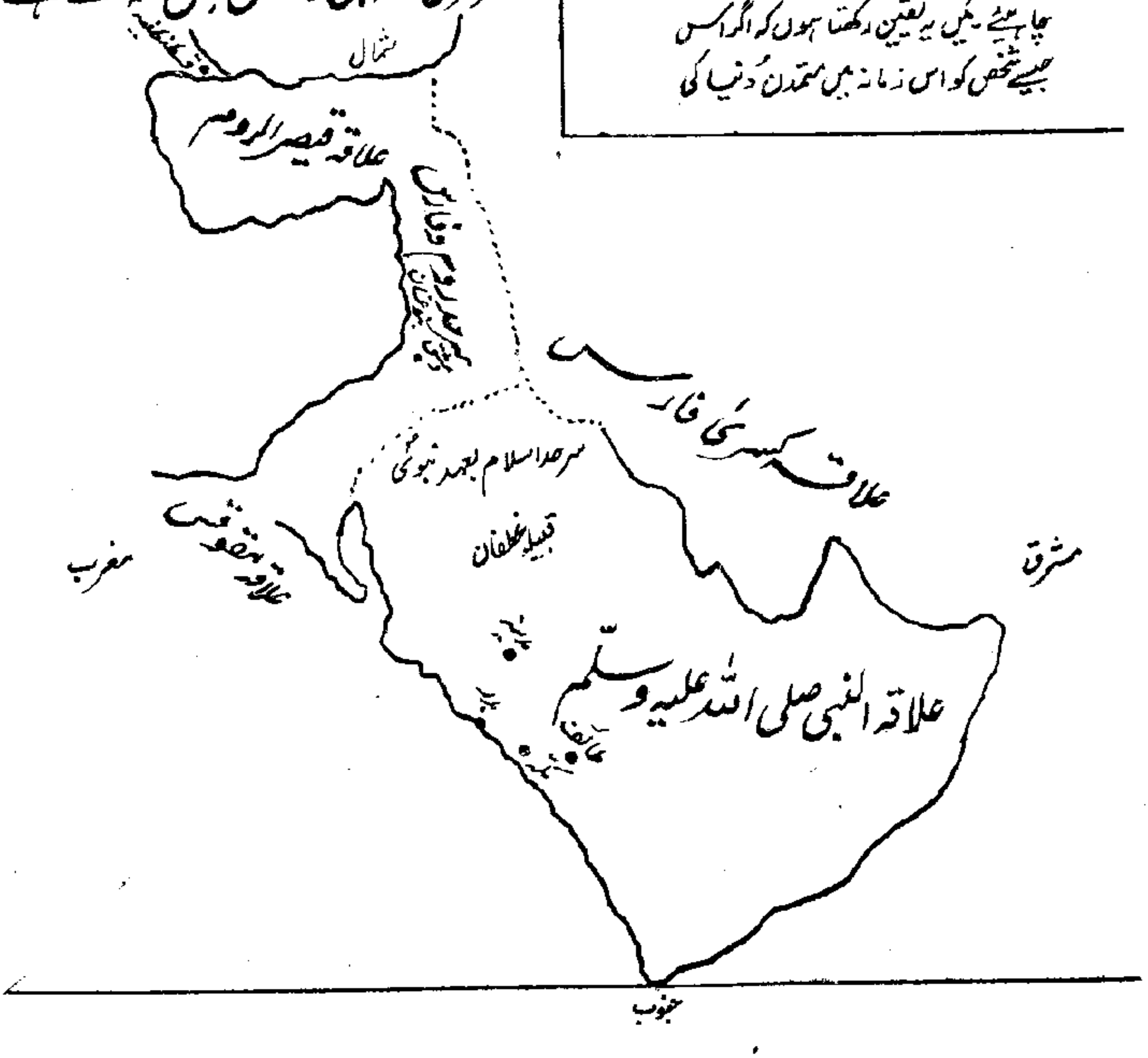

مکارمِ اخلاق کی تکمیل کی ایک جھلک

(از جناب مولوی عبد الباسط صاحب فاضل مربی جماعت احمدیہ کراچی)

انسانی تاریخ کی یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دنیا پر اخلاقی لحاظ سے تاریک ترین زمانہ وہ گزرا ہے جسے عام طور پر دورِ جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی آج سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل۔ ہم اس زمانہ کے حالات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کوئی ایسی اخلاقی قدریں، یقین جن کا سوسائٹی میں التزام کیا جاتا ہو اور اجتماعی لحاظ سے انہیں مدنظر رکھا جاتا ہو نفس پرستی اور ذاتی منفعت ہر دوسرے خیال پر غالب تھی اور ہر چیز کی اچھائی برائی کا معیار صرف اور صرف ذاتی منفعت تھا۔ اس بھرپور تاریکی کو دور کرنے کے لئے ایک کامل روشنی کی ضرورت تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیدنا و مولانا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی و روحی کی شکل میں دنیا میں جلوہ گر ہوئی اور آپؐ نے یہ اعلان فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

اس زمانہ میں جبکہ دنیا اخلاق فاضلہ کو بالکل کھو چکی ہے اور قومی و اجتماعی اغراض یکسر فراموش ہو چکی ہیں میں نہ صرف اخلاق کو زندہ کرنے اور دنیا میں قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں بلکہ زمانہ قدیم میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور برگزیدہ انسانوں کے ذریعہ سے دنیا کے سامنے اخلاق کا جو درس اور نمونہ پیش کیا گیا تھا میں اسے بھی پایۂ تکمیل کو پہنچاؤں گا اور اخلاقی عمارت کو اس مضبوطی، عمدگی اور خوبصورتی سے استوار کروں گا کہ اس سے پیشتر دنیا میں اس کی کہیں مثال نہ ملے۔

آپؐ کا یہ عظیم الشان دعویٰ جب آپؐ کی سوانح طیبہ کی روشنی میں جانچا جائے تو اس کی صداقت آپؐ کے ہر قول و فعل سے ثابت ہوتی ہے اور گزشتہ زمانہ کی تمام اخلاقی اقدار اور راستبازوں کے سب نمونے اس کے مقابل پر ہیچ نظر آتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت آج بھی ضرب المثل بنی ہوئی ہے اور قرآن مجید حضرت یوسف علیہ السلام کے اس عظیم کردار کو اپنے جلو میں اپنی تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ لئے ہوئے ہے کہ جب ایک خوبصورت اور مالدار نازنین نے آپ کو اپنے دامِ ہوس کا شکار کرنا چاہا تو آپ باوجود خوبصورت اور نوجوان ہونے کے اس سے صاف بچ نکلے اور اس کے تمام داؤ فریب آپ کو اپنے جادۂ استقامت سے متزلزل نہ کر سکے۔ تاریخ انسانی میں یہ کردار یقیناً ایک بہت ہی نمایاں اور شاندار مقام رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جب اس واقعہ کے مقابل پر ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے اس اخلاق کے عظیم الشان مظاہرہ سے بھی کہیں بڑھ کر نمونہ پیش فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت

یوسفؑ اس گھر میں ایک غلام کی حیثیت میں تھے اور جس عورت نے آپ کو پھسلانا چاہا تھا اس نے ایک ایسی حرکت کی تھی جسے اس وقت کے معاشرہ میں بھی کسی طرح پسندیدہ نظروں سے نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ کیونکہ یہ ایک چوری اور خیانت کی صورت تھی۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رئیسانِ مکہ کی طرف سے ایک نمائندہ نے آپ کو پیغام توحید کی اشاعت سے روکنے کے لئے جو مختلف صورتیں پیش کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہم عرب بھر کی خوبصورت ترین عورت سے آپ کی شادی کئے دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی چوری نہ تھی، بداخلاقی نہ تھی، خیانت نہ تھی، بلکہ یہ نکاح کی ایک قانونی صورت تھی جو اس زمانہ میں بلکہ آج بھی مروّج ہے۔ لیکن آپ اس دام سے صاف بچ گئے۔ اور اس طرح آپؐ نے ثابت فرما دیا کہ آپؐ مکارمِ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔

ایک مشہور مثل ہے کہ زر، زن، زمین باعثِ خرابی دفساد ہیں۔ مندرجہ بالا مثال میں ہم نے دیکھا کہ ان میں سے جو سب سے زیادہ لالچ ہو سکتا تھا وہ آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا لیکن آپؐ نے اسے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اسی موقع پر آپؐ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا گیا کہ اگر آپؐ اشاعتِ اسلام اس غرض سے کر رہے ہیں کہ آپؐ کو بہت سا مال و دولت حاصل ہو جائے تو ہم آپ کو اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ عرب بھر میں سب سے زیادہ مالدار آدمی بن جائیں۔ اور اگر آپ کو اقتدار و حکومت کی خواہش ہے تو ہم آپ کو اپنا حکمران اور بادشاہ ماننے کے لئے تیار ہیں اور اس طرح وقت کے حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے مکہ کے رؤسا نے وہ چال چلی تھی جو اُن کے نزدیک کامیاب ترین چال تھی۔ اور جس سے کسی کا بچ جانا محال تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرسہ عظیم الشان پیشکشوں والے پیغام کو سُن کر تبسم فرماتے ہوئے جواب دیا کہ:۔

"بخدا اگر مکہ والے میرے ایک
ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر
چاند لا رکھیں تو بھی میں توحید کی اشاعت
اور اپنے مشن کی تکمیل سے دستبردار
ہونے کے لئے تیار نہیں۔"

اور اس طرح یہ ثابت فرما دیا کہ آپؐ نے گزشتہ تمام اخلاقی اقدار کو پیچھے چھوڑتے ہوئے مکارمِ اخلاق کی ایک بہترین صورت دنیا کے سامنے پیش فرمائی۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

رُباعی

رحمت ہے نبوّت، ہے نبوّت رحمت
صدقے ترے تُو ہے پئے اُمت رحمت
آنے سے ترے کُھل گیا در رحمت کا
کیوں بند ہوا ہے پیکرِ رحمت رحمت

(آتش مونگیری مقیم چاٹگام)

نعتِ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر رضی اللہ عنہ کے قلم سے)

ترے دیدار کی جس دل میں اے احمدؐ تمنّا ہے
وہی دل شمعِ نورانی وہی دل عرشِ اعلیٰ ہے

مقامِ مدحِ احمدؐ نے یہ رُتبہ مجھ کو بخشا ہے
قلم ہاتھوں میں یہ میرے نہیں اک شاخِ طوبیٰ ہے

دہن ہی کا ترے اک نام کوثر حق نے رکھا ہے
اُسی چشمہ سے بحرِ سرمدی دن رات بہتا ہے

ہمیں یُحبِبکُمُ اللہ نے ہی یہ نکتہ سکھایا ہے
خدا خود اس کا شیدا ہے محمدؐ کا جو شیدا ہے

لقب اُمّی مگر سینہ ترا گنجینۂ حکمت
معارف کا خزانہ دل میں یا کُوزہ میں دریا ہے

ہمارا پیارا نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم

(از حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب آف مالیر کوٹلہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے عرض کی کہ وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و زندگی پر روشنی ڈالیں تو آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف کو پڑھ لو تو الفاظ کے بجائے اگر اس کو عملی جامہ پہنایا جائے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بن جاتی ہے۔ یہ بڑی سچی بات ہے۔ قرآن شریف ہمارے ہاتھوں میں الفاظ کی شکل میں ہے لیکن یہی قرآن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو محبوب خدا اور محبوب مومنین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی شکل میں نظر آتا تھا۔ اسلئے قرآن شریف کی کوئی بھی ہدایت اور فرمان سے لو اس میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور آپ کی سیرت پوری شان سے نظر آئے گی۔ میں سورہ نحل کے چند الفاظ پیش کرتا ہوں جن میں آپؐ کی سیرت بے مثال اور درخشندہ صورت میں نظر آتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم انصاف کرو۔ پھر انصاف ہی نہیں بلکہ مخلوق سے احسان کے ساتھ پیش آؤ۔ پھر احسان کا سلوک بھی اعلیٰ مقام نہیں رکھتا بلکہ تم ایک دوسرے سے ایسا سلوک کرو جو ماں اور باپ بچے سے کرتے ہیں۔ یہ حسن سلوک کا سب سے بڑا مقام ہے۔ ماں اپنے بچے کی خدمت کرتی ہے وہ کسی صلہ کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس کا جذبۂ محبت ہی ہر قسم کی قربانی بچہ کے لئے کراتا ہے۔ یہی والہانہ جذبہ ہوتا ہے جو کہ بڑی سے بڑی قربانی پر اس کو مجبور کر دیتا ہے۔

عدل و احسان کی تو لاکھوں مثالیں ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائی جاتی ہیں اور عدل و انصاف اپنے اندر بڑی خوبیاں رکھتا ہے۔ اگرچہ عدل و انصاف کی کئی ایک عمدہ مثالیں دوسروں میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن حسن احسان کے معیار کو اس قدر بڑھا دیا کہ حقیقی والدین کی محبت بھی ماند پڑ جائے اس کی مثال آپؐ میں ہی تمام تر پائی جاتی ہے۔

حضرت زیدؓ ایک شریف قبیلہ کے فرد تھے۔ لیکن زمانہ جاہلیت کے دوران میں ایک جنگ میں قید ہو کر غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آگئے۔ حضورؐ کا آپ کے ساتھ اس قدر شفقت اور محبت کا سلوک تھا کہ جب آپ کے والد فدیہ دے کر آپ کو آزاد کرانے کے لئے آئے تو آپ نے اس شفقت اور رحمت کے مجسم وجود یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنا گوارہ نہ کیا اور والدین کی محبت اور آزاد زندگی کی خوشگواریوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس رحمت و محبت کے سرچشمہ کا ساتھ دینا ہی پسند فرمایا۔ اللہ اللہ کس قدر شاندار رحمت و محبت کا حسنِ سلوک ہے۔ غلامی کو

ترجیح دی جاتی ہے۔ ماں باپ کی محبت اپنے مالک کی محبت اور شفقت کے آگے ہیچ معلوم دیتی ہے۔ غربت کو گھر کی زندگی پر مقدم کیا جا رہا ہے۔ یہ نہیں چھوڑا جاتا تو اپنے شفیق آقا کا آستانہ چھوڑنا گوارہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک مثال ہے جو مشتے نمونہ از خروارے پیش کی جاتی ہے ورنہ ہر ایک آپ کے قریب رہنے والا اپنے آپ کو آپؐ کی پدرانہ اور برادرانہ محبت کا مورد خیال کرتا تھا۔ اسی لئے رحیم و کریم مولیٰ نے آپ کے لئے رحمۃٌ للعالمین کا خطاب تجویز فرمایا۔ آپؐ نے اپنے خالق و مالک کے اخلاق اس قدر اپنے اندر جذب کر لئے تھے کہ آپؐ کی اتباع میں ہی اللہ تعالےٰ کی محبت مرکوز ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ پس کہہ دے کہ اللہ تعالےٰ کی محبت حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ تم میری اتباع کرو۔ گویا اسی محمدؐ کی رحمت و شفقت کی اتباع میں ہی نجات کا راستہ ہے۔ اب جو اس سے دور وہ خدا سے دور ہے۔ اب اس کا اسوہ اور خدا کا کلام ایک چیز ہو کر رہ گئے ہیں۔

آج بھی ایک شخص فنافی الرسول ہو کر بروزِ محمدؐ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہم کس قدر خوش نصیب ہیں کہ پھر ایک بار شفقت و محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہماری آنکھوں نے دیکھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کی شفقت و محبت کے انداز نے بھی ماں باپ کی محبت کو اکثروں کے قلوب سے بھلا کر رکھ دیا تھا۔ ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ بیسیوں اس کی بستی میں آئے لیکن اس کے حسن و احسان کو دیکھ کر اس قدر گرویدہ ہوئے کہ پھر واپس گھر جانے کا نام نہ لیا۔ اور اسی کے ہو کر رہ گئے۔ مگر کیا ہی بدبخت وہ انسان ہے جو بروزِ محمدؐ کو پا کر اپنے آپ کو آخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ کا مصداق تو تصور کرتا ہے اور صحابہ یا تابعین میں سے اپنے آپ کو سمجھتا ہے مگر ان فیوض اور برکات سے محروم ہے جو کہ ان سلف کو حاصل تھے۔ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰی کا نمونہ پیش کر کے فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا کی خوشنودی سے محروم ہے۔ پس سوچنے کا مقام ہے۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنے پیارے اور محبوب نبیؐ کی اتباع کی پوری پوری توفیق دے۔ تا ہم آپؐ کی اتباع کر کے مولا کریم کی خوشنودی اور رضا حاصل کر سکیں۔ +

انوارِ مدینہ

(جناب شیخ عبدالحکیم صاحب شملوی)

رہے لب پہ یارب ثنائے مدینہ
بنا دے مجھے بھی گدائے مدینہ

وہ شام و سحر کی اذانوں کے نغمے
تھی کس درجہ دلکش صدائے مدینہ

ہو صلّ علیٰ احمد ورد میرا
میرا دل ہو اور ہو نوائے مدینہ

دیا جس نے دُنیا کو امن و اماں پھر
وہ جاں بخش تھی اک ندائے مدینہ

ہو اسلام کو غلبہ یارب دوبارہ
بلند ہر طرف ہو لوائے مدینہ

مٹے ظلمتِ کفر ہوں نور افشاں
زمانے میں انوار ہائے مدینہ

مجھے رکھنا یارب تو اہلِ وفا میں
رگ و پے میں میرے سمائے مدینہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی قوتِ احیاء

أَحْيَيْتَ أَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ
مَاذَا يُمَاثِلُكَ بِهٰذَا الشَّانِ
(مسیح موعود علیہ السلام)

جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب نعیم

حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ فخرِ دو عالم سرورِ کائنات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور سے قبل دُنیا ضلالت و گمراہی کے عمیق غار میں گر چکی تھی خصوصیت سے جزیرہ عرب کی اخلاقی و تمدنی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ ہر طرف خودسری کا جوش پھیلا ہوا تھا۔ جہل و بدعت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ حق پرستی ختم ہو چکی تھی اور حمدِ باری کا ذوق عنقا تھا۔ اکثر لوگ جواری تھے اور بیشتر تعداد مے گساروں کی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا مشن زندہ تھا نہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حشمت کا نشان باقی تھا۔ حضرت نوحؑ کی تعلیم مٹ چکی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کی تورات انسانی گمراہی کے نیچے تلے محبوس اور بے بس ہو چکی تھی۔ دُنیا خالقِ حقیقی سے منکر ہو کر ارباباً من دون اللہ کے سامنے سجدہ ریز تھی۔ گویا انسانیت کا اصل مقصد "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کہ دنیا کی تمام مخلوقات محض اسلئے پیدا کی گئی ہے کہ خدائے واحد کی الوہیت کو قائم کیا جائے' یہ مقصد فنا ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے خون پسینے سے بنے ہوئے "خانہ کعبہ" میں جس کی تعمیر کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے تین سو ساٹھ "معبودانِ باطلہ" موجود تھے۔ عربوں کا اقتصادی و معاشرتی نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ وہ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو جاتے تھے اور بعض دفعہ لڑائی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو کر خاندان اور قبائل کے قبائل ختم ہو جاتے تھے۔ اپنے آپ کو برتر سمجھنے والے قبائل میں لڑکیوں کو زندہ گاڑنے کا مذموم طریقہ رواج پا چکا تھا۔ شرم و حیا کہیں نام کو باقی نہ تھی۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے جوش مارا اور دُنیا کو اس گمراہی سے نکالنے اور اسے صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے محسنِ اعظم حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے یہ تعلیم پیش کی :-

یا ایّھا الّذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا
واعبدوا ربّکم وافعلوا الخیر لعلّکم
تفلحون ۝ (الحج)

کہ اے مومنو! اگر تم فلاح چاہتے ہو تو تمہیں راکع بننا ہوگا۔ ساجد و عابد ہونا پڑے گا اور اچھے کام کرتے ہوں گے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا ضروری ہے۔ اس کی اور اس کے رسولؐ کی پوری فرمانبرداری کرنا ہوگی۔ اور اپنے رب کی عبادت کرنا ہوگی اور تمام نیکی کے کام کرنے ہوں گے۔ تب کہیں جا کر تم اپنے مقصدِ حقیقی میں کامیاب ہو سکتے ہو۔

پھر آپؐ نے خود فرمایا۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ کہ میری بعثت کا عظیم مقصد یہ ہے کہ میں اخلاقِ حسنہ کی ترویج و تکمیل کروں۔

اس تعلیم سے آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے لئے تمام انبیاء کی تعلیم زندہ ہوگئی۔ صدیوں سے ذلیل سمجھی جانے والی قوم (عرب) اقتصادی و معاشرتی ترقی میں تمام قوموں سے بازی لے گئی اور تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کرنے والے واحد رب العالمین کے والہ و شیدا ہوگئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

احییت اموات القرون بجلوۃٍ
ماذا یماثلک بھذا الشان

کہ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نے صدیوں کے مُردوں کو ایک ہی جلوے سے زندہ کر دیا۔ اے آقا! اس شان میں آپ کا کون مثیل ہو سکتا ہے۔

آپؐ آئے تو تمام نبی دوبارہ زندہ ہو گئے، ان کی تعلیم دوبارہ زندہ ہو گئی، عرب زندہ ہو گئے، تمام دنیا بیدار ہو گئی، عدل و انصاف میں زندگی آگئی، قانون میں نئی روح آگئی، الوہیت زندہ ہو گئی اور خدا تعالیٰ زندہ ہو گیا۔ غرض انسانیت کی حقیقی غرض پوری ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ارفع و اعلیٰ شان کو مدنظر رکھ کر فرمایا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

عاشقِ رسول حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اب اس تمام بیان سے ہماری غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کسی کے ساتھ پیار کرنا اس بات کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ ایسا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔ چنانچہ میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچے دل سے پیروی کرنا اور آپؐ سے محبت رکھنا انجام کار انسان کو خدا کا پیارا بنا دیتا ہے۔ اس طرح پر کہ خود اس کے دل میں محبتِ الٰہی کی ایک سوزش پیدا کر دیتا ہے۔ تب ایسا شخص ہر ایک چیز سے دل برداشتہ ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف جھک جاتا ہے اور اس کا اُنس و شوق صرف خدا تعالیٰ سے باقی رہ جاتا ہے۔ تب محبتِ الٰہی کی ایک خاص تجلّی اس پر پڑتی ہے اور اس کو ایک پورا رنگ عشق اور محبت کا دے کر قوی جذبہ کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ تب جذباتِ نفسانیہ پر وہ غالب آجاتا ہے اور اس کی تائید اور نصرت میں ہر ایک پہلو سے خدا تعالیٰ کے خارقِ عادت افعال نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۵)

پھر فرمایا:۔

"ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحیدِ حقیقی ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے پائی۔ اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اسکے نور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور

> مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اُس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتابِ ہدایت کی شعاع دُھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جبتک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"
>
> (حقیقۃ الوحی)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا نظارہ کیا تو ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ انہوں نے فوراً آپ کی آواز پر لبیک کہی اور آپ سے اس قدر محبت کرنے لگے کہ انہیں اپنی جانوں پر ظلم تو گوارا ہوتا تھا لیکن آنحضرت کے لئے معمولی سا صدمہ بھی ناقابلِ برداشت ہوتا تھا۔ اس محبتِ رسول کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اخلاق و اطوار، افعال و اعمال، حرکات و سکنات اور ان کی نشست و برخاست یکسر بدل گئی۔ وہ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کانّھم بُنیانٌ مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بن گئے۔ ایک کا دُکھ دوسرے کو غمگین بناتا تھا اور ایک کی خوشی سے سب ہی راحت و آرام پاکر جھوم جاتے تھے۔ عرب کے وحشی لوگوں میں اتنا تغیر و تبدل ہوا کہ وہ اپنے آرام کی بجائے دوسرے کی راحت کو ترجیح دینے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام ترقی یافتہ قوموں پر غالب آگئے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ان کی تاب نہ لا سکیں اور دُنیا کا ایک وسیع حصہ اسلام کی آغوش میں آگیا۔

مسلمان دنیوی مال و حشمت سے بالکل مستغنی ہوگئے یہاں تک کہ سُوئی بھی گری ہوئی ملتی تو حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے اور قیمتی سے قیمتی چیز بھی ان کے پائے دیانت و امانت کو ڈگمگا نہ سکتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کا یہ عظیم کرشمہ تھا کہ اعلیٰ سے ادنیٰ تک سبھی اسوۂ رسولؐ کو اپنا شعار بناتے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کھجوروں کے ایک باغ میں سے گزرے، دیکھا کہ ایک مسلمان حبشی غلام نانِ جویں سے اپنے پیٹ کو بھرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس طرح کہ ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور ایک کتے کو دیدیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے بانٹ بانٹ کر نان ختم کر دیا۔ حضرت امام حسنؓ نے دریافت کیا کہ تم کتے کو دھتکارتے کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا مجھے اس سے شرم آتی ہے۔ آپ نے اس کے آقا کا نام دریافت کیا۔ اور اسے فرمایا جب تک میں نہ لوٹوں یہیں رہنا۔ وہ تو وہیں کام کرتا رہا اور حضرت امام حسنؓ اس کے آقا کے پاس پہنچے۔ اور باغ اور غلام دونوں کو خرید کر واپس آئے۔ اور آکر فرمایا "میں نے تمہیں مع اس باغ کے تمہارے آقا سے خرید لیا ہے اور تمہیں متاعِ آزادی کے ساتھ یہ بیش قیمت باغ بھی ہبہ کرتا ہوں۔ اس سیاہ فام (لیکن روشن دل) غلام نے عرض کی "آپ نے جس خدا کے لئے مجھے آزاد کیا میں اسی کی راہ میں یہ باغ صدقہ کرتا ہوں۔"

مسلمانوں کا یہ جذبۂ رحم صرف اپنے تک ہی محدود نہ تھا بلکہ غیر مسلم بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔ چنانچہ سر ولیم میور لکھتا ہے:۔

> "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایات کے ماتحت انصار و مہاجرین قیدیوں کے ساتھ انتہائی محبت اور مہربانی کا سلوک کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض قیدیوں کی اپنی شہادت ہے کہ خدا بھلا کرے مدینہ والوں کا وہ ہم کو سوار کرتے اور خود پیدل چلتے تھے۔ ہم کو گندم کی پکی ہوئی روٹی کھلاتے اور خود کھجوریں وغیرہ کھا کر گزارہ کرتے تھے۔"

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں کی مُردہ انسانیت

کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور صرف زندہ ہی نہیں کیا انسان کو خدا سے ملا دیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو خود اعلان کرنا پڑا۔

تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

یعنی تم ہمیشہ انہیں بارگاہ خداوندی پر رکوع و سجود کرتے دیکھو گے اور ان کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کا حصول ہے۔ سجدوں کے اثر ان کی جبینوں پر عیاں ہیں۔ یہ انقلاب عظیم محض اور محض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظیم قوتِ قدسیہ اور آپؐ کے اخلاق حسنہ کا کرشمہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں:۔

"میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گذر چکے تھے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہرگز نہ کر سکتے۔ ان میں وہ دل اور وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبیؐ کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوء ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افترا کرے گا۔ میں نبیوں کی عزت و حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا ہے جو نہ الگ الگ اور نہ مل کر کسی سے ہو سکتا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ذٰالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات پیش آمدہ کی اگر معرفت ہو اور اس بات پر پوری اطلاع ملے کہ اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی اور آپؐ نے آکر کیا کیا تو انسان وجد میں آکر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہہ اٹھتا ہے۔"

اور غالباً اسی معرفت سے اطلاع پا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ؎

اَحْیَیْتَ اَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَۃٍ
مَاذَا یُمَاثِلُکَ بِھٰذَا الشَّانِ

زندہ نبیؐ

"سو ہم اپنے خدائے پاک ذو الجلال کا کیا شکر کریں کہ اس نے اپنے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی کی توفیق دیکر اور پھر اس محبت اور پیروی کے روحانی فیضوں سے جو سچی تقویٰ اور سچے آسمانی نشان ہیں۔ کامل حصہ عطا فرما کر ہم پر ثابت کر دیا کہ وہ ہمارا پیارا برگزیدہ نبی فوت نہیں ہوا۔ بلکہ وہ بلند تر آسمان پر اپنے ملیک مقتدر کے دائیں طرف بزرگی اور جلال کے تخت پر بیٹھا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

اب ہمیں کوئی جواب دے کہ روئے زمین پر یہ زندگی کس نبی کے لئے بجز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت ہے کیا حضرت موسیٰ کے لئے؟ ہرگز نہیں کیا حضرت داؤد کے لئے؟ ہرگز نہیں۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے؟ ہرگز نہیں۔ کیا راجہ رامچندر یا راجہ کرشن کے لئے؟ ہرگز نہیں۔" (تریاق القلوب)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی

اور

آپؐ کے اخلاق

مشہور مستشرق سٹینلے لین پول کے قلم سے

(مترجم جناب چوہدری محمد شریف صاحب خالد ایم۔ اے۔ پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ)

مشہور مستشرق جناب سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole) نے ایک نہایت ٹھوس مقالہ The Prophet and Islam کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ جو علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع شدہ ہے۔ میری درخواست پر اس کا ترجمہ محترم چوہدری محمد شریف صاحب خالد ایم۔ اے نے کیا ہے جو بجذبہ شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے — یہ خیالات ایک غیر مسلم مستشرق کے ہیں جن میں بہت سی مفید اور عمدہ باتیں موجود ہیں۔ — (ابوالعطاء)

عرب قوم کے لئے جو نبی مبعوث ہو اس میں دو امور پائے جانے ضروری ہیں تاکہ وہ اس کے پیغام کو قبول کرلیں۔

اوّل:- اسے عرب قوم کے مذہب کے روایتی مرکز سے مبعوث ہونا چاہیئے۔

دوم:- اسے خالص عرب نسل کے معزز خاندان سے متعلق ہونا چاہیئے۔

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی تھیں۔ آپؐ کا خاندان قریش قبیلہ کی وہ شاخ تھی جس نے مکہ کو عرب کا ایک باوقار اور مسلّمہ شہر بنایا تھا۔ اور اگرچہ یہ خاندان اس وقت غریب ہو گیا تھا لیکن اس مقدس مقام کے بڑے بڑے فرائض کی ادائیگی اسی کے پاس تھی۔

آپؐ کے دادا مکہ کے معزز سردار تھے اور کعبہ کی نگہبانی انہی کے سپرد تھی۔ اور وہی خدا کے گھر کے زائرین کو کھلانے پلانے کے فیاضانہ فرائض ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے نے قریش کی ایک شاخ کی عورت سے شادی کرکے یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اور اپنے بیٹے کی پیدائش (۵۷۱) سے پہلے فوت ہوگئے تھے اور اس بیٹے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر جب ۶ سال ہوئی تو آپؐ کی والدہ بھی رحلت فرماگئیں۔

اس یتیم بچہ کو اس کے دادا عبدالمطلب نے اپنی نگرانی میں لے لیا۔ اور اسی سالہ سردار اور ننھے پوتے کے درمیان بڑی محبت پیدا ہو گئی۔ اکثر اوقات بوڑھے عبدالمطلب کعبہ کے قریب اپنی مقررہ جگہ پر اپنے چہیتے پوتے کے ساتھ چٹائی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

آپ اس حال میں صرف دو سال زندہ رہے اور آپ کی وصیت پر آپ کے بیٹے ابوطالب نے حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تربیت اپنے ذمہ لی اور آپ بھی ان کے ساتھ باپ اور ماں جیسی محبت کرتے تھے۔

یہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بچپن کے مختصر سے حالات ہیں۔ آپؐ کی جوانی کے حالات بھی ہم کو بہت کم معلوم ہیں۔ تاہم عربوں کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں میں بکثرت عجیب واقعات پائے جاتے ہیں۔ ان میں آپؐ کے اپنے چچا کے ساتھ ملک شام کے سفر کے حالات اور ایک پُر اسرار راہب سے جو کسی نامعلوم مذہب کا پَیرو تھا ملاقات شامل ہے۔

ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آپؐ نے غالباً فجار کی جنگ میں اپنے خاندان کی امداد کی تھی۔ اور یہ کہ آپؐ عکاظ کے سالانہ میلہ میں جایا کرتے تھے۔ اور آپؐ صحرائے عرب کے سرداروں اور صحرائی زندگی کے متعلق تعریفی اشعار سنا کرتے تھے۔ اور یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے لوگوں کی سنجیدہ باتوں کو غور سے سُنتے تھے۔

آپؐ چھوٹی عمر میں ہی اپنی روزی کمانے پر مجبور ہو گئے۔ کیونکہ ہاشمیوں کا معزز خاندان جس سے یہ تعلق رکھتے تھے اپنی ممتاز حیثیت کھو رہا تھا۔ اور قریش کی ایک اور شاخ اس کی جگہ لے رہی تھی۔ ہاشم اور عبدالمطلب کی امیرانہ شان کے بعد ورثاء میں غربت اور زوال کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ زائرین کعبہ کی خوراک کی فراہمی کا انتظام ہاشمی خاندان نے چھوڑ دیا تھا اور اب اس کو امیّہ، ان کے حریف قبیلہ نے اختیار کر لیا تھا۔ لیکن پھر بھی ہاشمی خاندان پانی پلانے کا انتظام کرتا تھا۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ آپؐ کو مکہ کے گردونواح کی پہاڑیوں اور وادیوں میں قریش کی بھیڑیں چرانے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اگرچہ لوگ چرواہے کے پیشہ کو حقیر خیال کرتے تھے مگر آپ اپنے اس زمانہ کو یاد کر کے خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔ اور آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے صرف چرواہوں میں سے ہی نبی مبعوث فرمائے ہیں۔

اور بلاشبہ یہ اسی زمانہ کی بات ہے کہ آپؐ نے غور و فکر کی عادت پیدا کر لی تھی۔ اور آخر کار یہ امر لوگوں کی اصلاح کی طرف آپؐ کی توجہ مبذول کرانے کا باعث ہوا۔ اور بھیڑیں چراتے ہوئے اکیلے رہنے کی وجہ سے آپؐ کو زمین و آسمان کے عجائب اور خوبصورتی کو سراہنے کی بصیرت حاصل ہوئی۔ بعد ازاں آپؐ نے بخوشی رشتہ کی ایک امیر عورت خدیجہؓ کے تجارتی کاروان کے اونٹوں کی شتربانی اختیار کر لی۔ اور آپؐ اس اہم فرض کو بڑے انہماک کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ آپؐ نے اس کام کو اس قدر اچھے انداز میں کیا کہ خدیجہؓ بہت متاثر ہوئیں اور آپؐ سے محبت کرنے لگیں اور اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کر دیا۔

باوجودیکہ آپؐ کی عمر بمشکل ۲۵ سال تھی اور آپؐ کی بیوی تقریباً چالیس سال کی تھیں یہ شادی غیر معمولی طور پر مسرتوں کا گہوارہ بنی اور کامیاب ثابت ہوئی۔ اس شادی کی وجہ سے آپؐ کو روزمرہ کی مشقت سے نجات اور فراغت مل گئی اور اس چیز کی آپؐ کو بڑی ضرورت تھی تاکہ آپؐ اپنے دل و دماغ کو اپنے عظیم الشان کام

کے لئے تیار کر سکیں۔ اس کے علاوہ (اس شادی کی وجہ سے) آپ کو ایک محبت کرنے والی عورت کا دل بھی میسر آ گیا۔ اور یہ عورت آپ کے مشن پر سب سے پہلے ایمان لانے والی تھی۔ خدیجہؓ ہمیشہ آپ کی مشکلات کے وقت آپ کو تسلی دیتیں اور اس وقت جب کہ کوئی بھی آپ پر ایمان نہیں لایا تھا۔ آپ کے اندر امید کی ٹمٹماتی ہوئی شمع کو روشن رکھتیں جبکہ دنیا آپ کی نظروں کے سامنے بالکل تاریک تھی۔

اس سے اگلے پندرہ سال کے حالات کا بھی ہمیں کم علم ہے۔ خدیجہؓ کے بطن سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ لیکن صرف بیٹیاں زندہ رہیں۔ ہمیں اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ ایک انجمن میں شامل ہوئے جو کمزوروں اور مظلوموں کی حفاظت کے لئے قائم ہوئی تھی۔ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ کس طرح آپ نے دانشمندی اور فراست سے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے موقع پر مکہ کے دو بڑے خاندانوں کے درمیان ایک جھگڑے میں ثالثی کے فرائض ادا کئے تھے۔ اس زمانہ میں آپ نے اپنے غریب چچا کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے حضرت علیؓ کی پرورش اپنے ذمہ لی۔ اور اپنے ایک غلام زید نامی کو آزاد کرایا اور اسے متبنّٰی بنایا۔ اور یہ دونوں آپ کے انتہائی فدائی اور متبع بن گئے۔ یہ ہے آپ کی جوانی کے پندرہ سالوں کا مختصر مگر مخصوص حال۔

ہم اس بارہ میں بہت کم جانتے ہیں کہ آپ کیا کیا کرتے تھے لیکن ہمیں تھوڑا بہت یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کس قسم کے آدمی تھے۔ چالیس سال کی عمر تک آپ کی سادہ اور معصوم زندگی اہلِ شہر کی زیادہ توجہ کا مرکز نہ بن سکی۔ آپ کے متعلق لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ آپ سادہ اور با اصول انسان ہیں۔ آپ کی زندگی پاک اور شائستہ تھی۔ آپ عزت و ناموس اور دیانتداری کی وجہ سے "الامین" کا خطاب حاصل کر چکے تھے۔

آیئے ہم دیکھیں کہ وہ کس قسم کا انسان تھا جو اپنے ہم وطنوں میں ایک انقلاب پیدا کرنے والا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ دنیا کے ایک وسیع حصہ میں تمدنی حالات کو بدل دینے والا تھا۔ یہ تصویر آپ کی بڑی عمر کی ہے جس کے متعلق ابھی ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔ لیکن چالیس سالہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ۵۰ سالہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں غالباً بہت کم فرق ہے۔

آپ کا قد درمیانہ تھا۔ جسم ذرا پتلا مگر کندھے چوڑے تھے۔ سینہ وسیع تھا اور ہڈیاں اور پٹھے مضبوط تھے۔ آپ کا سر بڑا اور مضبوط طرز کا تھا۔ بال سیاہ اور ذرا گھنگھریالے اور گھنے جو کندھوں تک آتے تھے۔ آخری عمر میں بھی آپ کے بالوں میں صرف بیس کے قریب سفید بال تھے۔ اور یہ الہامات کی ذمہ داریوں کے تفکرات سے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا چہرہ بیضوی شکل کا تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ خوبصورت لمبے اور کمان کی طرح ابرو تھے۔ جن کے درمیان ایک نس تھی جو جذبات کی شدت کے وقت نمایاں طور پر تھراتی تھی۔ لمبی اور گھنی پلکوں کے نیچے سے بڑی بڑی سیاہ اور متحرک آنکھیں جھکتی تھیں۔ آپ کی ناک لمبی اور خمدار تھی۔ آپ کے دانت جن کے متعلق آپ بڑی احتیاط فرماتے تھے بڑے متناسب اور نہایت چمکدار تھے۔ آپ کے مردانہ چہرہ پر پوری ڈاڑھی تھی۔ آپ کی جلد صاف اور نرم تھی اور رنگ سُرخ و سفید تھا۔ آپ کے ہاتھ ریشم کی طرح نرم تھے گویا کہ وہ عورت کے ہاتھ تھے۔ آپ کی چال میں تیزی اور لچک مگر مضبوطی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ اونچی جگہ سے نیچی جگہ قدم رکھ رہے ہیں۔ چہرہ دوسری طرف کرتے وقت آپ اپنا جسم بھی موڑ لیا کرتے تھے۔ آپ کی

چال ڈھال میں وقار اور جلال تھا۔ آپ کی صورت میں متانت اور سنجیدگی تھی اور آپ کی ہنسی بہت ہی کم مواقع پر مسکراہٹ سے تجاوز کرتی تھی۔

آپ عادات و اطوار کے لحاظ سے سادہ تھے، مگر اپنے آپ کا خوب خیال رکھتے تھے۔ آپ کے کھانے پینے، آپ کے لباس اور سامان کی نوعیت میں آپ کے غلبہ حاصل کر لینے کے باوجود بھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ آسائش کے سامانوں میں اسلحہ جسے آپ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے کے علاوہ آپ کے پاس صرف زرد رنگ کے بوٹ تھے جو حبشہ کے بادشاہ نے آپ کو تحفہ کے طور پر دیئے تھے۔ تاہم آپ خوشبوؤں سے بہت محبت رکھتے تھے کیونکہ آپ کی قوتِ شامہ بہت تیز تھی۔ تیز قسم کے مشروبات سے آپ کو نفرت تھی۔

آپ کے جسم کی ساخت بہت نازک تھی۔ جسمانی درد سے آپ بہت بے تاب ہو جاتے تھے۔ آپ ایسی حالت میں سسکیاں بھرتے اور کراہتے تھے۔ گو زندگی کے عام حالات میں نمایاں طور پر آپ پیچھے تھے مگر آپ کو قدرت نے قوتِ متخیلہ، ذہنی برتری اور احساس کی نفاست اور پاکیزگی عطا کی ہوئی تھی۔ آپ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ آپ ایک پردہ نشین کنواری سے بھی زیادہ باحیا ہیں۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ آپ بہت شفقت کرتے تھے اور آپ یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ آپ کا چھوٹا ملازم جو ہوشیار نہیں تھا اس کو بھی برا بھلا کہا جائے۔ آپ کے ملازم انس رض کا قول ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں دس سال تک رہے مگر اس عرصہ میں آپ نے انہیں اُف تک نہیں کہی۔ اپنے اہل و عیال سے آپ بہت محبت رکھتے تھے۔ آپ کا ایک بیٹا آپ کی چھاتی پر لیٹا ہوا ایک دایہ (جو لوہار کی بیوی تھی) کے گھر فوت ہوا۔ آپ کو ننھے بچوں کے ساتھ بہت اُنس تھا۔ آپ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے انہیں روک لیتے اور ان کے رخساروں پر تھپکی دیتے۔ آپ نے عمر بھر کسی کو نہیں مارا۔ گفتگو میں سب سے زیادہ سخت کلمہ جو آپ نے استعمال کیا وہ یہ تھا "اسے کیا ہو گیا ہے خدا اس کے چہرہ کو کیچڑ سے آلود کرے"۔ جب آپ سے کسی کو لعنت ملامت کرنے کیلئے کہا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ **میں لعنت کرنے کیلئے نہیں بھیجا گیا بلکہ میں بنی نوع انسان کے لئے رحمت ہوں۔**

"آپ بیماروں کی عیادت کرتے اور ہر جنازہ جو انہیں ملتا اس کے ساتھ ہو لیتے۔ اور اگر کوئی غلام کھانے پر بلاتا تو اس کی دعوت کو قبول فرماتے۔ اپنے کپڑوں کی خود مرمت کرتے۔ اپنے ریوڑ کو دوہتے۔ اور اپنے سارے کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے"۔ ایک اور حدیث مختصر طور پر آپ کے اطوار کے متعلق یوں بیان کرتی ہے۔

آپ (مصافحہ کے وقت) اپنے ہاتھ کو دوسرے کے ہاتھ سے پہلے واپس نہ کھینچتے اور (کسی کو مخاطب کرتے وقت) دوسرے سے پہلے واپس نہ مڑتے۔ آپ جن کی دیکھ بھال فرماتے اُن کے لئے آپ سب سے زیادہ وفادار نگہبان تھے۔ آپ سب سے زیادہ شیریں کلام اور عمدگی سے گفتگو کرنے والے تھے۔ آپ کو دیکھنے والے فوراً آپ کی عزت کرنے لگ جاتے اور وہ جو آپ کے قریب آتے وہ آپ سے محبت کرنے لگتے۔ اور جو لوگ آپ کے متعلق باتیں کرتے وہ کہتے "ہم نے آپ جیسا کوئی شخص نہ پہلے دیکھا ہے نہ بعد"۔

آپ خاموش طبع تھے لیکن جب آپ بولتے تو زور اور توجہ کے ساتھ بولتے اور جو آپ کہتے کوئی بھی اُسے نہ بھولتا۔ اس کے باوجود آپ خائف، بے قرار اور فکر سے مغموم رہتے اور آپ کی آنکھیں جھکی رہتی

تھیں لیکن وقتاً فوقتاً آپؐ اس غور وخوض کی حالت سے باہر آجاتے اور تبسم اور تکلم فرماتے اور اپنے حلقہ میں خوب خوش ہوتے۔ اس حالت میں آپؐ سبق آموز قصے کہانیاں بھی سُناتے۔ آپؐ بچوں کے ساتھ اچھلتے کھیلتے اور ان کے کھلونوں سے پیار کرتے۔

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پورے چالیس برس کے ہوئے تو آپؐ نے محسوس کیا کہ وہ اپنی قوم کی طرف نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ آپؐ ایک دفعہ مبارک مہینہ میں حراء نامی پہاڑی پر جو ایک بڑی بنجر چٹان ہے۔ اور جس میں ایک وادی ہے اور جو تپتی ہوئی صحرائی دھوپ میں اکیلی دکھائی دیتی ہے۔ اور جس پر نہ کوئی سایہ دار درخت ہے نہ پھول۔ نہ وہاں کوئی کنواں ہے نہ ندی نالہ، دن گزار رہے تھے۔ اس پہاڑی کی ایک غار میں آپ نماز اور روزہ میں محو ہوگئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بچپن میں بعض اوقات آپؐ پر غشی کا عالم طاری ہوجاتا تھا اور اسی وجہ سے آپ اپنے ماحول میں سب سے زیادہ نازک طبع تھے۔ اس کمزوری اور پہاڑی کی مغموم اور اداس تنہائی میں انہوں نے کئی تھکا دینے والے مہینے گزارے اور آپؐ شدت کے ساتھ ایک ایسی حقیقت کی تلاش میں مصروف تھے جو آپ کی روح کا سہارا بن سکے۔ اس روایت پر یقین کرنا کوئی مشکل نہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک آواز سُنی جو یہ کہہ رہی تھی "پکار" اور آپؐ نے کہا تھا کہ میں بلند آواز سے کیا کہوں یعنی وہ سوال جو آپؐ کی ذہنی کشمکش میں مسلسل اُبھرتا چلا آرہا تھا۔

(اِقرأْ) پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ۔ جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا۔ اس نے انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو۔ کیونکہ تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ وہ جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا۔ اور اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس کے بعد محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کانپتے ہوئے اُٹھے اور آپؐ خدیجہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) کے پاس تشریف لے گئے اور جو کچھ دیکھا تھا اُنہیں بتایا۔ خدیجہؓ نسوانی حق ادا کرتے ہوئے آپ پر ایمان لائیں اور آپؐ کو تشفی اور تسلی دی اور آپؐ کو پُر اُمید رہنے کی تلقین کی۔ لیکن آپؐ کو اس کا یقین نہیں آتا تھا۔ کیا یہ آوازیں خدا کی طرف سے صداقت کے متعلق تھیں؟ آپؐ پھر تنہائی میں چلے گئے اور آپؐ کو عجیب آوازیں سُنائی دیتی تھیں۔ شک، حیرانگی اور اُمید کے احساسات میں سے گزرتے ہوئے آپؐ اس زندگی کا خاتمہ چاہتے تھے جو اُمید کی جنت سے نا اُمیدی کی دوزخ میں تبدیل ہوکر آپؐ کے لئے ناقابلِ برداشت ہوجاتی تھی۔ مگر آپؐ نے پھر آواز سُنی "آپ اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں"۔ آخرکار آپؐ پُر یقین ہوگئے آپؐ بے شک عربوں کے لئے خوشخبری کا پیغام لانے والے تھے۔ وہ پیغام خدا تعالےٰ کی طرف سے اس کے فرشتہ جبریلؑ کے ذریعہ اُترنے والا تھا۔ آپؐ خدیجہؓ کے پاس واپس گئے اور آپؐ کا جسم و دماغ بہت تھکا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے چادر اوڑھادو۔ مجھے چادر اوڑھادو" اس وقت یہ کلمات آپؐ پر نازل ہوئے:-

"اے اوڑھنے والے! کھڑا ہوجا اور لوگوں کو ہوشیار کر۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ اور اپنے کپڑوں اور گردو نواح کو پاک کر۔ اور شرک اور گندگی کو مٹا ڈال۔ اور اس نیت سے احسان نہ کر کہ اس کے بدلہ میں تجھے زیادہ ملے گا۔ اور اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے صبر سے کام لو"

اور اپنے رب کے لئے صبر سے انتظار کرو۔"

اب ۶۱۲ء میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) عربوں کی طرف توحید کا پیغام لائے۔ اب آپؐ کو پورا یقین تھا کہ

آپ کا خدا ہی حقیقی خدا ہے۔ اور یقیناً اسی نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف ایک پیغام دیکر بھیجا ہے۔ کہ وہ اپنے بُتوں سے رُوگردانی کریں۔ اور زندہ خدا کی عبادت کریں۔ آپ بالکل اکیلے تھے۔ لیکن آپ کو کسی کا بھی خوف نہیں تھا۔ آپ نے وہ خود اعتمادی حاصل کی ہوئی تھی جو ہر حقیقی کام کے سرانجام دینے کی شرط ہے۔ پہلے پہل آپ نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو پیغام حق پہنچایا۔ اور اس بیان میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ کے قریبی رشتہ دار اور وہ جو آپ کے ساتھ رہتے تھے انہوں نے ہی سب سے پہلے آپ کو مانا۔ اور یہ کہ ان کا ایمان بہت محکم تھا۔ وہ نبی جو اپنے گھر میں بہت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہو اسے اپنی وفاداری کے متعلق کسی مضبوط ثبوت کی اپیل کی ضرورت نہیں۔ اور آپ اپنے نوکروں اور ساتھ رہنے والوں کے لئے بھی ہیرو تھے (جو ایک استثنائی صورت ہے۔ اور یہ آپ کے عزم صمیم کی ایک محکم دلیل ہے) شفیق خدیجہؓ نے نسوانی حس کے ذریعہ فوراً اپنے خاوند کے دل کی بات کو سمجھ لیا تھا۔ اور آپ نے حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ٹمٹماتی ہوئی امید کو اپنی اس عقیدت سے جو کہ آپ کو حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) سے تھی تقویت دی۔ اس کے بعد آپ کے پیارے دوست زیدؓ اور علیؓ آپ پر ایمان لائے۔ اور اگرچہ وہ اپنی زندگی بھر کے محافظ ابوطالب کو منوا نہ سکے (اور اس کا حضورؐ کو بڑا غم تھا) کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو ترک کر دیں۔ مگر یہ معمر شخص آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور جب انہوں نے حضرت علیؓ کے اسلام لانے کی خبر سُنی تو کہا "میرے بیٹے وہ (آنحضرتؐ) آپ کو بھلائی کے سوا کسی اور طرف نہیں بلائیں گے اسلئے ان کے ساتھ وابستگی کی تمہیں آزادی ہے۔"

ایک نہایت قیمتی امداد حضرت ابوبکرؓ کے اسلام لانے کے ساتھ میسر آئی۔ آپ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بعد اسلام کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے اور آپ کی علیمانہ دانشمندی اور تیز فراست نے جس کے ساتھ ایک دردمند دل تھا اسلام کی بے اندازہ خدمت کی۔ ابوبکرؓ مکہ کے ایک بہت بڑے مالدار تاجر تھے اور آپ کا اپنے ساتھیوں پر اپنے اخلاق اور اپنی حیثیت کی وجہ سے بہت اثر تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح آپ کا بھی ایک لقب تھا یعنی "الصدّیق" سچا اور قابل اعتبار۔ اور دین کے مستقبل کے لئے یہ کوئی کم عمدہ شگون نہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد پانچ اور اشخاص حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان میں عثمانؓ تیسرے خلیفہ اور طلحہؓ اور زبیرؓ شامل تھے۔ مومنوں کی صفوں میں اضافہ نچلے طبقہ کے لوگوں کے مشرف باسلام ہونے سے ہوتا گیا۔ مکہ میں بہت سے حبشی غلام تھے اور ان میں سے کئی پہلی تعلیمات کی رُو سے ایک خدا کی عبادت کی طرف مائل تھے، ان میں سے جو اسلام لائے بلالؓ حبشی تھے۔ آپ اسلام کے پہلے مؤذن اور نبی کے فدائی حواری تھے۔ ان لوگوں اور قریش میں سے بعض نے مسلمانوں کی تعداد بعثت کے چوتھے سال میں تیس افراد سے زائد کر دی —— تین سال کے لمبے عرصے میں صرف تیس اور پھر ان میں سے بہت ہی کم ذی اثر لوگ! یہ مختصر سی کامیابی بُت پرستوں کی بہت تھوڑی مخالفت کے ساتھ حاصل ہوئی۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اب تک عوام کے سامنے علانیہ طور پر اپنا پیغام پیش نہیں کیا تھا۔ اور جب آپ اجنبی لوگوں سے گفتگو کرتے تو آپ ان کے طریق عبادت پر حملہ کرنے سے احتراز کرتے اور صرف ایک خدا کی پرستش کی انہیں تلقین فرماتے جس نے کہ تمام چیزوں کو پیدا کیا تھا۔ لوگ آپ کی باتوں میں کچھ دلچسپی لینے لگے اور حیران ہوتے تھے کہ آپ کوئی نجومی ہیں یا دیوانہ؟ یا کہ آپ کی بات میں کچھ صداقت ہے؟ مگر ۶۱۵ء میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے علانیہ طور پر اپنے پیغام کو پہنچانا شروع کیا۔ آپ نے قریش کو صفا پہاڑی کے دامن میں جمع کیا اور فرمایا کہ

تمہاری طرف ایک نذیر ہو کر آیا ہوں اور ایک بڑے عذاب کی خبر تمہیں دیتا ہوں۔ میں تمہیں اس دنیا میں بچا سکتا ہوں اور اگلی زندگی میں بچانے کا وعدہ دے سکتا ہوں جب تک کہ تم یہ نہ کہو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔" مگر لوگ آپؐ کی ہنسی اُڑاتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد آپؐ اس عذاب کے متعلق اعلان کرنے سے نہ رکے جو شہر کے کفار پر نازل ہونے والا تھا۔ آپؐ نے انہیں ابتدائی پُر زور سورتیں سُنائیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے عرب کے قدیم قبائل کو سزا دی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ اور یہ کہ کس طرح ایک سیلاب نے ان لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جو نوحؑ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ آپؐ انہیں ان امور کی قسمیں دے کر کہتے کہ میں قدرت کے عجیب و غریب مناظر کو بطور شہادت کے پیش کرتا ہوں۔ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی جو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور دن کو جب کہ وہ اپنی عظمت کو پہنچ جاتا ہے بطور شہادت پیش کرتا ہوں۔ کہ بالکل اسی قسم کی تباہی ان پر نازل ہوگی جو پہلی قوموں پر نازل ہوتی رہی ہے۔ اگر وہ اپنے بتوں کو ترک کر کے ایک خدا کو نہیں مانیں گے۔ آپؐ اپنے پیغام کو پُر زور بنانے کے لئے زوردار الفاظ اور استعارات استعمال فرماتے۔ حتیٰ کہ آپ کے الفاظ لوگوں کے کانوں میں جلتے ہوئے معلوم ہوتے۔

پھر آپ نے انہیں آخرت کے متعلق آگاہ کیا جب ان سے ان کے اعمال کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ آپ جنت اور دوزخ کے متعلق پورے استعارات و تشبیہات کے ساتھ ان سے ذکر کرتے۔ لوگوں پر اس کا اثر ہوا۔ وہ ڈرے اور اسلام لانے والوں میں اضافہ ہوا۔ اب وقت آگیا تھا کہ قریش کوئی مؤثر قدم اٹھائیں۔ اگر بت تباہ ہو جائیں تو ان کا کیا بنے گا؟ کیونکہ وہ تو بتوں کے محافظ تھے اور ترتیباً انہیں اسی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے اب وہ کس طرح ان لوگوں کو مطیع رکھ سکیں گے۔ جو کعبہ میں آکر بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور یہ بات قابلِ اعتبار نہ تھی کہ چند لوگ آپؐ کی "مجنونانہ اور ساحرانہ" باتوں کی تقلید کرنے لگے تھے جب کہ آپ ایک خدا کو مکہ کے خوبصورت بتوں پر ترجیح دیتے تھے۔ لیکن یہ بات ہرگز گوارا نہیں ہو سکتی تھی کہ شہر کے بعض سرکردہ لوگ آپؐ کی جماعت میں شامل ہو جائیں اور یہ کہ آپؐ بطور ایک ساحر لوگوں کو بتوں کی (جن کی وہ نگہبانی کرتے تھے) کھلم کھلا توہین کرتے ہوئے ڈرائیں۔ سردارانِ مکہ ایک خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اور انہوں نے اس کے خلاف ایک منظم کوشش شروع کی۔ اب تک وہ صرف نئے مذہب کے ماننے والوں سے تمسخر سے پیش آتے تھے۔ اب انہوں نے سخت اقدام کرنے کا تہیہ کر لیا۔ وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھونے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ کیونکہ آپؐ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو اگرچہ غریب اور تنگدست ہو گیا تھا لیکن اہلِ مکہ اب بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ اور اس خاندان کا سردار جو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کفیل اور محافظ تھا تمام مکہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اسی طرح دیگر مسلمان معززین پر حملہ کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کیونکہ ایسی صورتوں میں ان سے خون کا انتقام لیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا وہ مجبور تھے۔ کہ اپنے انتقامی جذبات کی تسکین سیاہ فام غلاموں کو اذیت پہنچا کر کریں جنہوں نے کہ اس' ان کے نزدیک مذموم گروہ میں شمولیت اختیار کی تھی۔ اُنہیں جھلستی ہوئی ریت پر ننگا چھوڑ دیا جاتا۔ اور انہیں پیاسا رکھا جاتا تاکہ وہ اپنے ارتداد کا اعلان کریں۔ وہ اعلان تو کرتے مگر چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد پھر اپنے مذہب کا اظہار شروع کر دیتے۔ صرف "مؤذنِ اوّل" بلالؓ مستقل مزاج رہے۔ آپ ریت میں دھنسے ہوئے تھے اور آپ کا دم گھٹ رہا تھا مگر آپ اَحَدٌ اَحَدٌ کہے جاتے تھے۔ اچانک حضرت ابوبکرؓ اس طرف گزرے اور آپ نے ان کو آزاد کرا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کا یہ شعار تھا کہ وہ

مظلوموں کی امداد کیا کرتے۔ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جبر کے ماتحت ارتداد کا اعلان کرنے والوں سے نرمی کا سلوک کرتے۔ آپ جانتے تھے کہ آدمی کس مادہ سے بنا ہوا ہے۔ (یعنی کمزور ہے) آپ ایسے لوگوں کو تلقین فرماتے کہ وہ حوصلہ کریں اور دل کو مضبوط رکھیں۔

آخر اپنے ماننے والوں کی تکالیف سے متاثر ہو کر آپ نے انہیں حبشہ میں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ "حبشہ ایک ایسا ملک جس میں نیکی ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہوتا" اور آپ کی بعثت کے چھٹے سال (۶۱۹) میں گیارہ مرد اور چار عورتیں پوشیدہ طور پر مکہ سے چلے گئے اور حبشہ میں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اگلے سال مزید مہاجرین حبشہ کی طرف چلے گئے اور ان کی تعداد ایک سو تک پہنچ گئی۔ قریش نے اس پر سخت چیں بجبیں ہوتے انہوں نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کے پاس سفیر بھیجے کہ وہ ان لوگوں کو قریش کے حوالہ کر دے۔ نجاشی نے اپنے بڑے بڑے عیسائی علماء کو اکٹھا کیا اور مہاجروں سے ان کے سامنے پوچھا کہ وہ کیوں بھاگ آئے تھے؟ ان میں سے ایک نے یوں جواب دیا:-

اے بادشاہ! ہم جہالت، بُت پرستی اور بد اخلاقی میں مبتلا تھے۔ طاقتور کمزوروں پر ظلم کرتے تھے ہم جھوٹ بولتے تھے اور مہمان نوازی کے فرائض کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ ہم میں ایک نبی مبعوث ہوا۔ ایک ایسا نبی جسے ہم بچپن سے جانتے تھے اور اس کے خاندان، اخلاق اور ایمان اور چال چلن سے ہم واقف تھے۔ اس نے ہمیں ایک خدا کی پرستش، سچ، ایمان، رشتہ داروں کی خیر خواہی، حقوقِ مہمان نوازی اور بدی سے نفرت پر کاربند کر دیا۔ اس نے ہمیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کی تلقین کی ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرنے لگے مگر ہمارے ہم وطن ہم پر ظلم کرنے لگے اور ہم کو ایذا دیتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ہم اپنے دین کو چھوڑ دیں۔ اب ہم آپ کی پناہ میں ہیں۔ کیا آپ ہمیں پناہ نہیں دیں گے؟

اور اس (مہاجر) نے قرآن کی ایک سورۃ پڑھی جو حضرت عیسےٰ کے متعلق تھی۔ بادشاہ اور عیسائی علماء کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے جس سے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ بادشاہ نے سفیروں کو واپس کر دیا اور مسلمانوں کو ان کے حوالے نہ کیا۔

قریش نے جب غلاموں کو قبضہ میں لانے کے معاملہ میں ناکامی کا منہ دیکھا تو انہوں نے اپنا غصہ ان مومنوں پر نکالا جو مکہ میں باقی رہ گئے تھے۔ انہوں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ہتک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ آپ کسی گلی سے بھی گالی سننے کے بغیر نہ گزر سکتے تھے۔ وہ لوگ آپ پر گندگی پھینکتے اور ہر لحاظ سے آپ کو تنگ کرتے۔ ابوطالب کی حفاظت صرف آپ کو جانی خطرہ سے بچاتے ہوئے تھی۔ اس حفاظت کو بھی قریش نے مٹا دینے کا عہد کر لیا۔ اس سے قبل بھی ایک دفعہ انہوں نے اس کی کوشش کی تھی مگر انہیں صاف جواب ملا تھا۔ اب وہ اسی سالہ سردار کے پاس گئے اور مطالبہ کیا کہ یا تو وہ اپنے بھتیجے کو مجبور کرے کہ وہ مکہ میں چپ چاپ زندگی بسر کرے یا اگر وہ ایسا نہ کرے تو ابوطالب اپنی حفاظت واپس لے لیں۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔ بوڑھے سردار نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو بلا بھیجا اور جو کچھ ہوا تھا انہیں بتایا اور کہا کہ اب اپنے آپ کو بھی اور مجھے بھی بچاؤ اور اس سے زیادہ بوجھ مجھ پر نہ رکھو جو میرے مقدور سے زیادہ ہے۔ ابوطالب اپنے خاندان اور قریش کے دوسرے خاندانوں کے درمیان باہمی کشمکش پر بہت دکھ محسوس کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قریش کے ساتھ صلح سے رہیں۔ اگرچہ رسول کریم کو یقین تھا کہ آپ کے چچا آپ کو چھوڑ جائیں گے مگر آپ کی جرأت اور استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی آپ نے کہا اگر وہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تاکہ میں تبلیغ حق سے باز رہوں تب بھی یہ ممکن نہیں۔ جب تک خدا مجھے حکم دیتا ہے میں اپنے مقصد سے

باز نہیں رہوں گا۔ اس موقعہ پر جب آپؐ کو اپنے چچا کی محبت سے محرومی کا تصور آیا تو آپؐ کے آنسو جاری ہو گئے اور آپؐ واپس جانے کے لئے مڑے مگر ابوطالب نے بلند آواز سے کہا۔ میرے بھائی کے بیٹے! واپس آؤ۔ آپؐ واپس آئے اور ابوطالب نے کہا۔ تم اطمینان سے جاؤ اور جو کچھ تمہاری مرضی میں آئے کہو۔ خدا کی قسم میں تمہیں قریش کے حوالے نہیں کروں گا۔

حضرت ابوطالب کی وفاداری کا جلدی ہی امتحان ہونے والا تھا۔ شروع میں حالات بے شک اچھے نظر آتے تھے۔ بوڑھے سردار کے عزم صمیم نے قریش کو خوفزدہ کئے رکھا اور مسلمانوں کی جماعت میں دو آدمیوں کی شمولیت سے وہ مزید خائف ہو گئے۔ ان میں سے ایک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ (شیر خدا) تھے جو ایک منہ زور شکاری اور نڈر سپاہی تھے اور جن کی تلوار ہمیں عام مسلمانوں کی تلواروں سے زیادہ کار آمد تھی اور دوسرے عمرؓ تھے جو بعد میں دوسرے خلیفہ ہوئے۔ اور جن کی جوشیلی طبیعت نے انہیں نئے مذہب کا سرگرم مخالف بنایا ہوا تھا۔ اور جو بعد میں اسلام کے ایک بہت بڑے ستون ثابت ہوئے۔ ان دو آدمیوں کے قبولِ اسلام نے پہلے تو قریش کو ڈرا دیا اور پھر انہیں پاگل کر دیا۔ سردار جمع ہو کر سوچنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ اب معاملہ صرف اس حد تک نہیں تھا کہ ایک جوشیلا آدمی ہے جس کے ماننے والوں میں چند غلام اور تاجر قسم کے لوگ ہیں۔ اب یہ ایک ایسی جماعت تھی جس میں بڑے بڑے جرنیل مثلاً حمزہ رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اسی طرح اس جماعت میں چند چوٹی کے شمشیر زن بھی تھے۔ مسلمان اپنے نئے ساتھیوں کی وجہ سے بہت دلیر ہو گئے تھے اور کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کعبہ میں اپنے دین کے مطابق عبادت کرنے لگے تھے۔ قریش نے انتہائی اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے بنو ہاشم کو قریش کے دوسرے قبائل سے الگ کر دینے کا فیصلہ کیا۔ سرداروں نے ایک عہدنامہ تیار کیا اور قسمیں کھائیں۔ کہ وہ بنو ہاشم سے نہ تو شادی بیاہ کریں گے نہ ان سے لین دین کریں گے اور نہ ان سے کسی قسم کا تعلق رکھیں گے اور اس عہدنامہ کو انہوں نے کعبہ میں لٹکا دیا۔

بنو ہاشم کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ وہ سارے شہر کا مقابلہ کر سکیں۔ پس وہ تمام کے تمام سوائے ایک کے شعب ابی طالب میں جو مکہ کے مشرق جانب ایک لمبا اور تنگ پہاڑی درہ ہے اور جو شہر سے چٹانوں اور دیواروں کی وجہ سے جدا ہے۔ اور جس میں جانے کا صرف ایک تنگ سا رستہ ہے چلے گئے اور وہاں اپنے آپکو محفوظ کر لیا۔ اگرچہ مقاطعہ میں یہ نہیں تھا کہ وہ مکہ چھوڑ دیں مگر انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کوئی شخص ان سے نہیں بولے گا اور ان کو طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے گا۔ انہوں نے شعب ابی طالب میں اپنے ذخائر جمع کر لئے اور انتظار کرنے لگے۔ بنو ہاشم کے ہر فرد نے خواہ وہ مشرک تھا یا مسلم اپنی قسمت کو اپنے باہمی رشتہ دار محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ صرف ایک شخص کا استثناء تھا اور وہ شخص ابو لہب تھا جو کہ اسلام کا پکا دشمن تھا اور جس کے متعلق خاص طور پر قرآن کریم میں تہدید ہے۔

دو سال کے طویل عرصہ تک بنو ہاشم مذکورہ جگہ میں بند رہے۔ صرف حج کے مبارک ایام میں جب کہ جنگ و جدل اور سختی ممنوع ہوتی تھی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) باہر آکر لوگوں کو اپنی دلی باتوں سے آگاہ کرتے۔ اس تکلیف دہ زمانہ میں مشکل سے کوئی اسلام لایا اور بہت سے مسلمان جو بنو ہاشم سے تعلق نہیں رکھتے تھے وہ حبشہ میں ہجرت کر گئے۔ گویا کہ بعثت کے ساتویں سال میں آپؐ کے ساتھ مشہور آدمیوں میں سے بارہ سے زائد نہیں رہ گئے تھے۔ بنو ہاشم اسی جگہ ہی ٹھہرے رہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب مارے جائیں گے۔ ان کے ذخائر ختم ہونے کو تھے اور بھوک سے بلبلاتے ہوئے بچوں کی چیخیں سننے میں آتی تھیں۔ اور اہل مکہ میں سے رحمدل ہمسائے

بعض اوقات ضروریات کی اشیاء کے ایک دو اونٹ خفیہ طور پر بھجوانے لگے لیکن اس سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ اب قریش بھی اپنی اس قبیح حرکت پر دل میں نادم ہو رہے تھے۔ وہ کسی بہانہ کی تلاش میں تھے کہ اپنے رشتہ داروں کو اب آزاد کر دیں۔ موقع یوں پیدا ہوا کہ مقاطعہ کا عہدنامہ دیمک کے کیڑے کھا گئے اور اس انکشاف کو ابوطالب نے اپنے مفید مطلب بنا لیا۔ آپ کعبہ میں قریش کے پاس گئے اور اس خراب شدہ ورق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں ملامت کرنے لگے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ کتنا سنگدلانہ سلوک کر رہے ہیں۔ اور یہ کہہ کر آپ چلے گئے۔ اس وقت پانچ سردار جو بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، کھڑے ہوئے اور بعض سخت قسم کے لوگوں کے اعتراض کے باوجود انہوں نے ہتھیار پہنے اور شعب ابی طالب میں جا کر بنوہاشم سے کہا کہ وہ امن کے ساتھ شہر میں آ جائیں۔ چنانچہ وہ آ گئے۔

اب بعثت کا آٹھواں سال شروع ہو گیا تھا۔

پچھلے دو سال مقاطعہ کی وجہ سے اسلام ظاہراً جوں کا توں کھڑا تھا۔ اگرچہ رسول کریمؐ کے صبر و استقلال نے بنوہاشم کے بعض افراد کے دل میں بڑا اثر کیا ہوا تھا مگر اسلام لانے والوں میں باہر سے کوئی اضافہ نہ ہوا۔ حج کے مبارک مہینوں میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میلوں اور قافلوں میں لوگوں سے ملنے کے لئے جاتے لیکن کوئی کامیابی نہ ہوتی۔ کیونکہ فوراً ہی ابولہب آپؐ کے پیچھے لگ جاتا اور آپؐ کا استہزاء کرتا۔ اور لوگوں سے کہتا کہ آپؐ جھوٹے اور صابی ہیں۔ اور لوگ خیال کرتے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اپنے رشتہ دار انہیں اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ لہٰذا وہ آپ کی بات نہ سنتے۔ ان پانچ سرداروں کے دلیرانہ فعل نے آپؐ کو ایذا اور دکھ سے ایک عارضی مہلت دیدی۔ مگر بعد میں آنے والے حالات نے اس کی اہمیت کو کم کر دیا حتیٰ کہ آپؐ نے اس سال کو دکھوں کے سال سے معنون کیا۔ پابندی ہٹ جانے کے جلدی بعد ابوطالب اور خدیجہؓ فوت ہو گئے۔ ابوطالب کی وفات سے آپ ایک پرانے محافظ سے، جو آپؐ پر ایمان تو نہیں لائے تھے مگر وفاداری کے ساتھ آپؐ کی حفاظت کرتے رہے تھے، محروم ہو گئے۔ ابوطالب سچی عرب روایت کے مطابق رشتہ داری کے فرائض کو ادا کرتے رہے اور اس وجہ سے اپنے خاندان کو ایذا، دکھ اور غربت کا نشانہ بنائے رکھا اور اپنے بھائی کے بیٹے کی حفاظت کرتے رہے۔ خدیجہؓ کی وفات آپؐ کے لئے اس سے بھی بڑی آفت تھی۔ آپؓ وہ خاتون تھیں جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور آپؐ کے لئے ہمیشہ فرشتۂ امید و رحمت ثابت ہوئیں۔ آپؓ کی موت تمام عمر رسول کریمؐ کو یاد رہی۔ ایک دفعہ جبکہ آپؐ کے بڑھاپے میں آپؐ کی جوان بیوی عائشہؓ نے حضرت خدیجہؓ کا ذکر بوڑھی عورت کے الفاظ سے کیا تو آپؐ نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا کہ جب میں غریب تھا تو خدیجہؓ نے مجھے امیر کر دیا۔ جب لوگ مجھے جھوٹا کہتے تھے تو وہ مجھ پر ایمان لائی تھی۔ اور جب تمام دنیا میرے خلاف تھی تو وہ میرے ساتھ رہی۔

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بجا طور پر ان حالات میں اپنے آپ کو دنیا میں تنہا محسوس کر سکتے تھے۔ آپؐ کے اکثر ماننے والے حبشہ میں تھے۔ صرف چند آزمودہ دوست مکہ میں تھے۔ تمام شہر آپؐ کے خلاف تھا۔ آپؐ کو پناہ دینے والا فوت ہو چکا تھا اور آپ کی وفادار بیوی بھی آپؐ سے جدا ہو چکی تھی۔ اس مایوسی اور کس مپرسی کی حالت میں انہیں کسی اور میدان کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اگر مکہ نے آپؐ کو قبول نہیں کیا تو کیا طائف بھی آپؐ کو قبول نہیں کریگا؟ آپؐ طائف جانے کے لئے اس ستر میل کے سفر پر پاپیادہ روانہ ہوئے اور اپنے ساتھ صرف زیدؓ کو لیا۔ طائف والوں کو اپنا سیدھا سادھا پیغام پہنچایا۔ مگر انہوں نے آپؐ پر شہر سے تین میل

باہر تک پتھراؤ کیا۔ آپؐ کا خون بہہ رہا تھا اور آپ کو غش آنے کے قریب تھا۔ اسی حالت میں آپؐ نے ایک باغ میں ہوش سنبھالنے کے لئے آرام کیا۔ تاکہ اس کے بعد پھر اپنے لوگوں کی گالیاں کھانے کے لئے واپس مکہ جا سکیں۔ اس باغ کے مالک نے آپؐ کے پاس کچھ انگور بھجوائے۔ آپؐ کے حواس بجا ہوئے اور آپؐ تھکے ماندے واپس ہوئے۔ رستہ میں آپؐ کو ایک کشف میں یہ دکھائی دیا کہ آپؐ کو آدمیوں نے تو نہیں مانا مگر جن نازل ہوئے ہیں۔ اور ایک خدا کی عبادت کر رہے ہیں اور اسلام کی صداقت کی تائید کر رہے ہیں۔ اس کشف سے آپؐ کا حوصلہ بلند ہوا اور آپؐ چلتے چلے گئے۔ اور جب زیدؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اپنے آپ کو قریش کے جنگل میں پھنسانے سے نہیں ڈرتے؟ تو آپؐ نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ اپنے دین اور اپنے رسول کی حفاظت فرمائے گا۔

پس یہ بے یار و مددگار انسان اس حالت میں اپنے دشمنوں کے درمیان زندگی بسر کرنے کے لئے واپس ہوا۔ اگرچہ ایک بہادر عرب سردار نے آپؐ کو اپنی حفاظت کا یقین دلایا۔ لیکن آپؐ اچھی طرح جانتے تھے کہ دشمن کی طاقت کے سامنے اس قسم کا عہد کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور آپ کو کسی بھی وقت قتل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ابھی تک قریش نے اس آخری فعل کے متعلق ارادہ نہیں کیا تھا۔ اسی دوران آپؐ کیلئے ایک نئی صورت پیدا ہوئی۔ اسی سال جبکہ آپؐ عرب کے مختلف اطراف سے آئے ہوئے قافلوں سے راہ و رسم پیدا کر رہے تھے جو کہ کعبہ میں عبادت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ آپؐ نے یثرب کے لوگوں کا ایک گروہ پایا جو آپؐ کی باتیں سننے کے لئے تیار تھا۔ آپؐ نے ان کے سامنے وہ دین واضح کیا جس کی اشاعت کے لئے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ آپؐ نے انہیں بتایا کہ کس طرح آپؐ کی قوم نے آپؐ کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اور آپؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا یثرب ان کا خیر مقدم کرے گا؟ اہل یثرب پر آپؐ کی باتوں کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور انہوں نے اس بارے میں اگلے سال جواب دینے کا وعدہ کیا۔ واپس جا کر انہوں نے اپنے بھائی بندوں سے اس کا ذکر کیا۔ یثرب میں دو مشرک قبیلوں کے علاوہ جو کہ جنوب سے ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے تین یہودی عرب قبائل بھی رہتے تھے۔ مشرک قبائل اور یہودی قبائل کے درمیان اور پھر دونو مشرک قبائل کی آپس میں بڑی خوفناک جنگیں رہتی تھیں۔ شہر میں اب کئی گروہ تھے اور کوئی گروہ بھی دوسروں پر غالب نہیں تھا۔ ایک طرف تو یہودی اپنے مسیح کی آمد کے منتظر تھے اور دوسری طرف مشرک ایک نبی کا انتظار کر رہے تھے۔ یہودیوں نے خیال کیا کہ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ان کے مسیح نہیں تو آپ کو مشرک حریفوں کے لئے آلہ کار بنایا جا سکتا ہے لیکن مشرک خیال کرتے تھے کہ خواہ آپؐ نبی ہیں یا نہیں بہرحال ہماری قوم کے آدمی تو ہیں۔ اور آپؐ یہودیوں کو دبانے میں ہماری امداد کریں گے۔ اور اگر آپؐ ہی موعود نبی ہیں تو ہماری پالیسی یہ ہونی چاہیئے کہ ہم آپؐ کو ان یہودیوں سے جو ہمیں اپنے مسیح سے ڈراتے رہتے ہیں پہلے مانیں۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم یہودیت کے اتنی قریب تھی کہ دونو مذہبوں کا اتحاد بعید از قیاس نہیں تھا۔ اور اسی طرح مشرکین یثرب کے لئے توحید کوئی عجیب نظریہ نہیں تھا۔ لہذا تمام گروہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خیر مقدم کرنے اور آپؐ کے اثر کا تجربہ کرنے کیلئے رضامند تھے۔ ایک ایسے شہر میں جس کا دشمنی، بغض اور حسد کی وجہ سے شیرازہ بکھر چکا تھا آپؐ کا صلح کے شہزادہ کی حیثیت سے یا نبی اور مسیحا کی حیثیت سے بلکہ ہر لحاظ سے خیر مقدم کیا جا سکتا تھا۔

جب پھر حج کا موقع آیا۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک الگ تھلگ مقام پر ان لوگوں کا انتظار کیا۔ اور یثرب کے دو مشرک قبائل کے آدمی آپؐ سے وہاں ملے۔ ان میں سے

۱۰ خزرج قبیلہ کے اور ۲ اوس قبیلہ کے تھے۔ انہوں نے اپنے لوگوں کی اسلام قبول کرنے پر رضامندی کے متعلق آپؐ کو بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ شہر کو آپ کے استقبال کے لئے تیار کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایمان کا اظہار آپ کے سامنے ان الفاظ میں کیا:۔ "ہم ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے اور نہ ہی زنا۔ اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے۔ اور ہم تہمت بازی سے بچیں گے۔ اور کسی بھی نیک کام میں رسول کریمؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔" یہ عقبہ کا پہلا عہد ہے۔ یثرب کے بارہ آدمی واپس جاکر اپنے لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ یثرب میں اسلام کے لئے زمین اس طور پر تیار تھی۔ اور تبلیغ اس جوش اور حکمت کے ساتھ ہو رہی تھی کہ نیا دین بہت جلد گھر بہ گھر اور قبیلہ بہ قبیلہ پھیلنے لگا۔ یہودی حیرت سے لوگوں کی طرف دیکھتے کہ کس طرح وہ لوگ جنہیں وہ پشتوں سے شرک کی غلطی منوانے اور بت پرستی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے ناکام کوششیں کرتے رہے ہیں یک لخت اور خود بخود اپنے بتوں کو ترک کرکے توحید کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ان کے پاس قرآن کا ایک عالم بھیجیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اسلام سے واقف ہونے کے کتنے خواہشمند تھے۔ چنانچہ حضرت مصعبؓ کو بھیجا گیا اور آپ نے انہیں قرآن پڑھنا اور عبادت کرنا سکھایا۔ اس طرح اسلام کی جڑیں یثرب میں مضبوط ہو گئیں۔

اس اثناء میں رسول کریمؐ مکہ میں قریش کے درمیان ہی قیام پذیر تھے۔ آپؐ اب اس امر کے منتظر تھے کہ کب دور رہنے والے (یثرب میں رہنے والے) مسلمانوں کی طرف سے کوئی خبر آپ کو آتی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ آپؐ نے اپنی امیدیں یثرب والوں کی طرف لگائی ہوئی تھیں اور مکہ والوں سے مایوس ہو چکے تھے لہذا آپؐ پہلے کی طرح سرگرمی سے تبلیغ نہیں کرتے تھے۔ عام طور پر آپؐ خاموشی سے وقت گزارتے رہے۔ اس زمانہ میں آپؐ کے متعلق بہت کم سُنا جاتا ہے۔ اسلام مکہ میں بالکل ساکن ہو گیا تھا اور مسلمان خاموشی سے دن گزار رہے تھے اور قریش بتوں کے خلاف وعظ بند ہو جانے پر خوش تھے مگر وہ اس پر مطمئن نہیں تھے مسلمان خاموشی سے کسی قریبی چیز کے منتظر تھے۔

اسی سال جبکہ آپؐ یثرب سے کسی خبر کے آنے کی توقع میں تھے آپ کو اسراء کا مشہور واقعہ پیش آیا مفسرین اور راویوں نے مبالغہ آمیزی سے معراج کے اس واقعہ کو عجیب رنگ دے کر پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مخالفین کی تہدید کا نشانہ بنایا ہے۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ایک کشف دکھایا گیا اور اس واقعہ کا ذکر مختصر اور مبہم طور پر قرآن میں ہے۔ آپؐ کے ماننے والے اس واقعہ کو حقیقت قرار دینے پر مُصر ہیں۔ ان کا قول ہے کہ آپؐ جسدِ خاکی کے ساتھ آسمان پر گئے۔ رسول کریمؐ بڑی تحدّی سے کہتے تھے کہ یہ ایک خواب تھا۔ اس عجیب و غریب نظارے کا روایتی بیان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی کسی بھی سوانح عمری میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اور اگرچہ یہ بیانات اس بیان سے جو کہ پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دیا بلاشک و شبہ مختلف ہیں مگر پھر بھی یہ ایک شاندار نظارہ تھا اور اس میں عجیب و غریب استعارات جو وسیع مطالب پر حاوی تھے پائے جاتے ہیں۔

آخر حج کا وقت آ پہنچا۔ اور آپؐ پھر پہاڑی سڑک کے تنگ رستہ پر پہنچ گئے۔ مصعبؓ نے آپؐ کو یثرب میں دین کی اشاعت کی بشارت دی ہوئی تھی۔ آپؐ کو اس مقام پر پہلے سے زیادہ آدمی ملے۔ وہ قریش کے خوف کے باعث دو دو اور تین تین ہو کر آئے تھے۔ (نہ تو سوئے ہوؤں کو جگایا اور نہ ہی غیر موجودوں کا انتظار کیا) تب آپؐ نے ان کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت کیں اور ان کی اس دعوت پر کہ آپؐ وہاں آئیں اور ان کے اس اظہار پر کہ وہ اپنی جانیں آپؐ کی

خدمت میں لگادیں گے۔ آپؐ نے ان سے عہد لیا کہ وہ آپؐ کی ویسی ہی حفاظت کریں گے جیسی کہ اپنے بال بچوں کی۔ اور ان ستر آدمیوں کی طرف سے اس پر رضامندی کا اظہار ہوا۔ اور ان میں سے ایک بوڑھا سردار کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔ اور ایک بے تکلف بدوی انداز میں اس سردار نے اپنا ہاتھ آپؐ کی ہتھیلی پر رکھ دیا اور اس طرح اپنی وفاداری کا عہد کیا۔ بعدازاں ہر ایک نے اپنا ہاتھ اسی طرح رسول کریمؐ کی ہتھیلی پر رکھا۔ آپؐ نے ان میں سے بارہ[۱۲] کو دوسروں پر سردار مقرر کیا اور یہ کہا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے آدمیوں میں سے بارہ کو چُنا تھا۔ تم باقی لوگوں کے زعیم ہو جس طرح کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواری تھے۔ اور میں اپنے لوگوں کا زعیم ہوں۔ ایک اجنبی کی آواز اس دوران سُنائی دی۔ اور یہ اجتماع جلدی سے منتشر ہو کر چپکے سے اپنے کیمپ میں چلا گیا۔ یہ **عقبہ کا دوسرا عہد** کہلاتا ہے۔

قریش کو علم ہوگیا تھا کہ کوئی اجلاس ہوا ہے۔ اور اگرچہ وہ یثرب کے کسی زائر کے خلاف کوئی معیّن الزام نہ لگا سکے تاہم وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کے دوستوں کی حرکات وسکنات پر زائرین کی واپسی کے بعد کڑی نگاہ رکھنے لگے۔ یہ ایک واضح بات تھی کہ مکہ اب مسلمانوں کے لئے محفوظ مقام نہ تھا۔ اور اس دوسرے عہد کے چند دن بعد آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ چپکے سے یثرب چلے جائیں۔ بعثت کے گیارھویں سال (۶۲۲ء) کے آغاز میں دو ماہ تک مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہوں میں مکہ چھوڑ کر ۲۵۰ میل کے فاصلہ پر یثرب کو جاتے رہے۔ ایک سو کے قریب خاندان جا چکے تھے اور مکہ کا ایک حصہ بالکل خالی ہوگیا تھا۔ گھر خالی تھے اور دروازے مقفل۔ مکہ میں اب صرف تین مسلمان تھے۔ یعنی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ابوبکرؓ اور علیؓ۔ **ایک غرق ہونے والے جہاز کے کپتان کی طرح پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) جگہ کو نہیں چھوڑنے والے تھے جب تک کہ اہلِ جہاز باحفاظت نہ پہنچا دیئے جائیں۔** اب سوائے دو پُرانے دوستوں کے سب جا چکے تھے۔ سفر کا تمام سامان تیار تھا۔ مگر پیغمبرؐ اب بھی جانے والے نہیں تھے۔ مگر قریش جو اب تک غفلت میں تھے اس بات پر تُل گئے کہ ان کا امن برباد کرنے والے اور ان کے شہر کو ویران کرنے والے سے انتقام لیں۔ انہوں نے آپؐ کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا اور مختلف قبائل کے مسلح نوجوانوں کو بُلا بھیجا کہ وہ مل کر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں۔ تاکہ **قصاص** کا وبال صرف ایک خاندان پر نہ پڑے۔

مگر آپؐ کو اس خطرہ کی اطلاع مل چکی تھی۔ اور علیؓ کو دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے پیچھے چھوڑ کر ابوبکرؓ کے ساتھ آپؐ ثور پہاڑی پر جو کہ مکہ سے ڈیڑھ گھنٹہ کے سفر پر ہے پناہ گزین ہوئے۔ اور قریش کو اس بات کا علم نہ ہوسکا۔ تین دن تک آپؐ وہاں چھپے رہے اور آپؐ کے دشمن آپؐ کو ہر جگہ تلاش کرتے رہے ایک بار وہ بالکل قریب پہنچ گئے اور ابوبکرؓ کانپ اُٹھے کہ ہم صرف دو ہیں مگر آپؐ نے فرمایا نہیں ہم تین ہیں۔ کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مکڑی نے غار کے مُنہ پر اپنا جالا تن دیا اور قریش یہ خیال کرتے ہوئے کہ کوئی آدمی اس میں داخل نہیں ہوا وہاں سے آگے نکل گئے۔

تیسری رات کو تعاقب کا خیال ترک کر دیا گیا تھا اور دونوں پناہ گزینوں نے پھر سے سفر شروع کیا اور اونٹوں پر سوار ہو کر وہ یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ ماہ ستمبر ۶۲۲ء میں آٹھ دنوں کے بعد وہ شہر مدینہ کے مضافات میں پہنچ گئے۔ آپؐ کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا اور اپنے قرابت داروں کے درمیان آپؐ نے رہائش اختیار کی۔ اسلام کا مرکز اب مکہ کی بجائے یثرب میں جو کہ اب مدینہ (مدینۃ النبیؐ) کہلانے لگا تھا تبدیل ہوگیا۔

یہ ہے ہجرت یا نبی کریمؐ کا مکہ سے فرار۔ مسلمانوں کا سنِ ہجری

یہیں سے شروع ہوتا ہے یعنی ان کا پہلا سال ۱۶ جون ۶۲۲ء کو شروع ہوا۔ ہجرت کے بعد رسول کریمؐ کی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب واقع ہوا۔ اگرچہ آپؐ وہی آدمی تھے مگر ماحول بدل چکا تھا۔ جو کام آپؐ کو درپیش تھا وہ بہت وسیع اور مشکل تھا۔ اب تک ہم نے آپؐ کو پہلے ایک سمجھدار لڑکے کی حیثیت میں ریوڑ چراتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر ایک نوجوان کی حیثیت میں جبکہ آپؐ توجہ کے مرکز نہیں تھے اور لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ آپؐ صادق گو اور سچے ہیں۔ پھر چالیس سال کی عمر میں جبکہ آپ غور و خوض کے نتیجہ میں زندگی کے اہم مسائل کے متعلق غور کر کے اِس سوال پر پہنچے جس پر کہ ہر صحیح غور و خوض کرنے والا پہنچ سکتا ہے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے! اِس دنیا کا کیا مطلب ہے؟ حقیقت کیا ہے؟ سچائی کیا ہے؟

مایوسی، تکالیف اور حقیقت کی تلاش کا ایک طویل عرصہ آخر کار پھل لایا۔ اس کے نتیجہ میں آپؐ کو زندگی کی پُراسرار حقیقت کا یقینی علم اور تمام اشیاء کے خالق و مالک کی ہستی پر یقین حاصل ہو گیا۔ ایک ایسی ہستی کا یقین جس پر ایمان لانا اور جس کی عبادت کرنا انسانی فرائض اور انسانی برتری میں شامل ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح ۱۰ سال کا لمبا عرصہ آپؐ مشرکوں اور بت پرستوں کے درمیان کشمکش اور جد و جہد کی حالت میں گزارتے رہے۔ ایسے دس سال جن میں آپؐ کی کوششوں کے نتائج کی رفتار بہت سست تھی اور آپؐ کو اِس عرصہ میں چند وفادار دوست میسر آ گئے۔ اور پھر غریب طبقہ اور غلاموں میں سے بعض کی بے پناہ محبت اور عقیدت آپؐ کو حاصل ہوئی۔ بعد ازاں نصف درجن کے قریب معززین شہر مسلمان ہوئے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی تمام جماعت کو اپنے آبائی شہر مکہ کو خیرباد کہہ کر یثرب کی طرف جانا پڑا۔ پھر یثرب کے اجنبی شہر میں جہاں اسلام سرعت سے پھیل رہا تھا، مسلمانوں کا پُرتپاک خیر مقدم ہوا۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ اِس محنتِ شاقہ، ہمت، استقلال اور تکالیف کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ اس تمام عرصہ میں اتنی جد و جہد کے باوجود صرف تین سو مسلمان ہوئے۔ لیکن یہ ایک بڑی فصل کے لئے بیج تیار ہو چکا تھا۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں کو بتا دیا تھا کہ آپؐ کیا ہیں۔ آپؐ کے اخلاقِ حسنہ، آپؐ کی بے لوث دوستی، آپؐ کی قوتِ برداشت اور رحم اور سب سے بڑھ کر آپؐ کا پُرجوش جذبہ جو سچائی کی اشاعت کے لئے آپؐ میں پایا جاتا تھا۔ اِن سب امور نے آپؐ کی ذات میں ایک ہیرو ظاہر کر دیا تھا۔ اور ان اخلاق کی موجودگی میں آپؐ ایک ایسے آقا تھے جن کی نافرمانی کرنا نا ممکن اور آپؐ سے محبت نہ کرنا محال امر تھا۔ یہاں سے آگے اب صرف تھوڑی سی مہلت کی ضرورت تھی۔ جب مدینہ کے لوگوں کو آپؐ کی پوری شناخت ہو جائے گی تو وہ تن من دھن سے آپؐ کی خدمت میں لگ جائیں گے۔ اور یہ جوش اور یہ ولولہ دوسرے قبائل میں سرایت کرے گا حتیٰ کہ تمام عرب خدائے واحد کے نبی کے قدموں تلے آ جائیگا۔ کسی شہنشاہ اور کسی تاجدار کی اس طرح اطاعت نہیں ہوئی تھی جس طرح کہ اس کمبل پوش کی۔ لوگوں کو متاثر کرنے کا جذبہ آپؐ کو ودیعت ہوا تھا۔ اور آپؐ کی ذاتی شرافت لوگوں کو صرف اچھے رنگ میں متاثر کرتی تھی۔

اب ہم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو بادشاہ کی حیثیت سے دیکھنا ہے۔ اگرچہ (یثرب میں) آپؐ پناہ گزین کی حیثیت سے آئے جب کہ آپؐ کے اپنے شہر والے آپؐ کو فریبی سمجھ کر رد کر چکے تھے۔ لیکن جلدی ہی آپ کی بات اس نئے شہر میں حرفِ اوّل کی حیثیت اختیار کر گئی۔ مدینہ میں چار مخصوص گروہ تھے۔ پہلا گروہ مہاجرین کا تھا جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان پر آپؐ قدرتاً اعتماد کر سکتے تھے مگر آپؐ مدینہ کے ان مسلمانوں کو بھی جنہوں نے آپؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی برابر کی اہمیت دیتے تھے۔ اور مدینہ کے ان لوگوں کو جنہوں نے مہاجرین کی امداد کی تھی **انصار** کا معزز خطاب ملا۔ ان لوگوں کی محبت الجعرانہ کے اس نظارہ سے ظاہر ہوتی

ہے جبکہ انصار مالِ غنیمت کی تقسیم پر مطمئن نہ تھے اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ کیا تم لوگ اس وجہ سے غیر مطمئن ہو کہ میں نے مکہ کے باشندوں کی دلجوئی کیلئے ان میں اس دنیا کا متاع تقسیم کیا ہے کیا تم اس بات پر مطمئن نہیں کہ جب کہ دوسروں کو بھیڑ بکریاں اور اونٹ ملے ہیں تم اپنے گھروں میں اللہ کا رسول لے جاتے ہو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تمام بنی نوع انسان کسی اور طرف جائیں اور مدینہ کے لوگ ایک طرف ہوں تو یقیناً میں اس طرف جاؤں گا جس طرف مدینہ کے لوگ جائینگے اللہ تعالیٰ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ نیز ان کی اولاد در اولاد پر۔ یہ سنکر انصار کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور وہ بیک زبان بول اٹھے۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول! ہم اپنی قسمت پر بہت زیادہ مطمئن اور شاکر ہیں۔

آپ کے لئے مہاجرین اور انصار کی وفاداری کا حصول بہت آسان تھا۔ بلکہ مشکل یہ تھا کہ اُن کے جوش و خروش کو کس طرح قابو میں رکھا جائے تا وہ دشمنانِ اسلام سے انتقام لینے میں جلدی نہ کریں۔ مہاجرین اور انصار میں رقابت کے جذبہ کو روکنے کے لئے آپ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنادیا۔ اور یہ نام کا تعلق خونی رشتوں سے زیادہ مضبوط ثابت ہوا۔ حتّٰی کہ آپ نے محسوس کیا کہ جس غرض کے لئے یہ تعلق قائم کیا گیا تھا وہ غرض پوری ہو گئی ہے اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مدینہ میں تیسرا گروہ غیر مطمئن یا منافقین کا گروہ تھا۔ یہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جنہوں نے آپ کی برائے نام اطاعت کی تھی محض اس خوف سے کہ آپ کا مقابلہ کرنیکی ان میں طاقت نہ تھی۔ لیکن وہ ہر وقت اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کب آپ کو نیچا دکھائیں۔ تاہم آپ ان لوگوں اور انکے سردار عبداللہ بن اُبی (جو اپنے آپ کو مدینہ کا سب سے بڑا آدمی سمجھتا تھا) کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ اور اگرچہ ان لوگوں نے کئی دفعہ آپ سے بڑے نازک مواقع پر غداری کی مگر آپ نے ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کی حالانکہ آپ میں ایسا کرنیکی اب طاقت تھی۔ بلکہ آپ کی خواہش تھی کہ وہ اسلام پر تہہ دل سے دوسرے مسلمانوں کی طرح قائم ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ گروہ کم ہوتا گیا اور ان میں سے اکثر عام مسلمانوں میں سما گئے۔ اگرچہ ان کے سردار عبداللہ بن اُبی کی وفات تک یہ گروہ فتنے پیدا کرتا رہا لیکن اس کی وفات کے بعد یہ گروہ غائب ہو گیا۔

چوتھا گروہ رسول کریمؐ کے پہلو میں حقیقی خار کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ گروہ یہودیوں پر مشتمل تھا جن کے تین قبائل مدینہ کے مضافات میں سکونت پذیر تھے۔ پہلے پہل آپ کی آمد کا سن کر ان پر اچھا اثر تھا مگر یہودیوں کے نزدیک آپ مسیح نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ آپ داؤد کے نسب سے نہیں تھے لیکن آپ مشرک عربوں کے لئے اگر مسیح نہیں تو ایک بڑے نبی کی حیثیت رکھتے تھے۔ لہذا آپ کے اثر و رسوخ سے کام لیکر یہودی مدینہ میں پھر سے اپنا اقتدار جما سکتے تھے۔ آپ کی تعلیم یہودیت کی تعلیم کے بہت زیادہ قریب تھی تو کیوں نہ آپ ان جیسے ہو کر اقتدار کے حصول میں ان کی امداد کریں؟

لیکن جب آپ مدینہ آ گئے تو یہودیوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آپ ان کا آلۂ کار بننے کی بجائے انکے آقا ثابت ہوئے۔ بیشک آپ لوگوں کو مدراش (یہودی حکایات کے مجموعہ) کی کہانیاں سناتے اور کہتے کہ وہ ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دین کو تازہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کئی امور کا آپ نے اضافہ کیا۔ آپ نے بتایا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ہی مسیح تھے۔ اب کسی اور مسیح کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں یہودی انبیاء اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی تعلیمات کے احترام کے ساتھ ساتھ آپ کا دعویٰ تھا کہ آپ کا مقام انکے مقام سے کم نہیں بلکہ حقیقتاً خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے وہ پہلے انبیاء کی تصدیق یا تنسیخ کر سکتے تھے۔

یہودیوں کا رسول کریمؐ کو اپنا آلۂ کار بنانے کا سراب اب غائب ہو چکا تھا۔ یہودی اسلام کے بارے میں اب کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اس کی مخالفت پر کمر باندھی اور اس کے بانی کو ہر طرح کی شرارتوں اور فتنوں کے ذریعہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔

لیکن ان کا یہ اقدام غلط تھا۔ یہودی یہ کھیل ہار گئے اور انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کوئی درمیانی رستہ نکالا جا سکتا تھا۔ آیا یہودی آپؐ کو اس بات پر آمادہ کر سکتے تھے کہ آپؐ چند چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں کر دیں اور یہودی آپؐ کی نبوّت کے قائل ہو جائیں۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ذرا بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہوتے اور یہودیوں سے غیر مشروط ایمان کا مطالبہ کرتے۔ عرب یہودیوں کے اس طرح الگ ہونے سے اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا لیکن عرب یہودیوں کو اس سے کافی صدمہ ہوا۔ مگر جب تک مہربانی کی گنجائش تھی آپؐ ہمیشہ اُن سے مہربانی کے ساتھ پیش آتے رہے۔ آپؐ نے اُن سے ایک معاہدہ کیا جس کی رُو سے مسلمان اور یہودی کی معیّن تعریف مرتب کی گئی۔ دونوں مذاہب کے ماننے والے اپنے اپنے مذہب کی بلا روک ٹوک عبادت کر سکتے تھے۔ اور اس معاہدہ کے تمام فریقوں کے واسطے بلا لحاظ مذہب و ملّت امن اور حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ہر فریق نے دوسرے فریق پر حملہ کی صورت میں دوسرے فریق کی امداد کرنا تھی۔ اور قریش کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرنا تھا۔ اور اعلانِ جنگ مشترکہ طور پر کرنا تھا۔ اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے بغیر کسی جنگ کا اعلان نہیں ہو سکتا تھا۔ معاہدہ کی شرائط کی خلاف ورزی ہی معاہدہ کو منسوخ کر سکتی تھی۔

مگر یہودی الگ تھلگ رہنے پر قناعت نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں کوئی جارحانہ کارروائی کرنی چاہیئے۔ انہوں نے اپنی شریعت کے متعلق آپؐ سے مشکل اور مبہم سوالات پوچھنے شروع کر دیئے اور آپؐ کے جوابات کی انہوں نے اپنی کتابوں کے ذریعہ تردید شروع کر دی۔ اور قرآن میں یہودیوں کے قصّوں کی صحت کا انہوں نے انکار کیا۔ اگرچہ انہیں علم تھا کہ یہ ان کی کتابوں کے مطابق ہیں جنہیں وہ اپنے ماحول میں پڑھتے اور سُنتے رہتے ہیں لیکن وہ آپؐ کو صرف بائیبل دکھاتے اور دوسری کتب جن میں یہ قصّے موجود تھے نہ دکھاتے۔ آپؐ کے پاس اس مشکل کا صرف ایک حل تھا کہ آپؐ کہتے کہ یہودیوں نے کتابوں میں تحریف و تنسیخ کی ہوئی ہے۔ لہٰذا آپؐ نے ان کی کتب کو ردّ کر دیا اور تحدّی سے بیان کیا کہ جو کچھ یہودی انبیاء اور اولیاء کے متعلق آپؐ کہتے ہیں وہی حقیقت ہے۔ اور وہی آسمان سے آپؐ پر نازل ہوا ہے۔

رسول کریمؐ کو اس طور پر تکلیف دے کر بھی یہودی مطمئن نہ ہوئے۔ انہوں نے اسلام کے ارکان کی تضحیک شروع کر دی۔ مثلاً نماز، تلاوت اور حرکات و سکنات وغیرہ کی) وہ اپنی زبانوں سے الفاظ کو توڑ مروڑ کر ادا کرتے اور الفاظ کے معانی کو خراب کر دیتے۔ جب ان سے صاف طور پر پوچھا گیا کہ وہ بُت پرستی کو ترجیح دیتے ہیں یا اسلام کو تو انہوں نے صاف کہا کہ بُت پرستی کو۔ مگر یہودیوں نے اس پر ہی بس نہ کی کہ وہ اپنے مذہب پر افترا باندھیں اور اس مذہب کی جو گرد و نواح میں اچھا کام کر رہا تھا تضحیک کریں۔ بلکہ انہوں نے اپنے شاعروں کو اس کام پر لگایا کہ وہ مسلمان عورتوں کے متعلق گندے اور عریاں اشعار کہیں اور شرافت اور نفاست کو ترک کریں۔ اور عرب لوگوں کی عزت اور بہادری کو ٹھیس پہنچائیں۔

یہ جارحانہ کارروائیاں تھیں جو یہودی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کر رہے تھے۔ انہوں نے مدینہ کی حکومت کے خلاف بھی سازش شروع کر دی۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نہ صرف اسلام کے بانی تھے بلکہ آپ اس وقت مدینہ کے

بادشاہ بھی تھے اور شہر کی حفاظت اور امن کے ذمہ دار تھے۔ نبی کی حیثیت سے وہ یہودیوں کی ان مکروہ باتوں کو جو آپؐ کو سخت غصہ دلانے والی تھیں نظر انداز کر سکتے تھے۔ مگر شہر کے حاکم کی حیثیت سے اور ایک ایسے جرنیل کی حیثیت سے جسے ہر وقت جنگ سے واسطہ تھا اور جبکہ مدینہ کو حفاظت کی خاطر ایک فوجی نظام کے ماتحت رکھا گیا تھا۔ اس غدّاری کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ آپؐ اپنی ذمہ داری کے فرض کی ادائیگی میں مجبور تھے کہ اس گروہ کو دبائیں جو کسی وقت بھی شہر کے امن وسکون کو برباد کر سکتا تھا۔ اور حملہ آوروں کے ساتھ مل سکتا تھا۔ جو اقدامات آپؐ نے اس سلسلہ میں کئے ان کی وجہ سے یورپین مصنف آپؐ کو اعتراضات کا ہدف بناتے ہیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہودیوں کے ساتھ آپؐ کے اس سلوک کی وجہ سے ہی آپؐ کو "خونخوار" اور "سفاک" کہا جاتا ہے مگر ان خطابات کے حق بجانب ہونے کی تائید کرنا یقیناً مشکل ہے۔

یہ "سفاکی" اِس امر میں بتائی جاتی ہے کہ نصف درجن کے قریب ایسے یہودیوں کو جو اپنی قوت اور مدینہ کے مشترکہ دشمنوں کے پاس خبریں پہنچانے کی وجہ سے اہمیت اختیار کر چکے تھے قتل کر دیا گیا تھا۔ اور تین یہودی قبائل میں سے دو کو اسی طرح جس طرح کہ وہ جلا وطنی کی حالت میں یہاں آئے تھے جلا وطن کر دیا گیا اور تیسرے کو ختم کر دیا گیا۔ آدمیوں کو مار دیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ نصف درجن کے قریب سرکردہ یہودیوں کو مارنا قتلِ عمد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ کسی مسلمان کو اس کام پر خفیہ طور پر بھیجا جاتا تھا۔ ایسا کرنے کی وجوہات واضح ہیں اور ان کی تشریح تحصیلِ حاصل ہے۔ اس زمانے میں مدینہ میں نہ تو پولیس تھی نہ عدالتیں اور نہ فوجی عدالتیں۔ لہذا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کوئی ماننے والا ہی موت کی سزا دینے والا بن سکتا تھا۔ اور اس کا بہترین طریق یہی تھا کہ یہ خفیہ طور پر سرانجام دیا جائے۔ کیونکہ کسی آدمی کو اس کے قبیلہ کے سامنے کھلم کھلا مارنا بدامنی اور لڑائی کا موجب ہو سکتا تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں قتل دشمن اور انتقامی جذبات میں اضافہ ہو جاتا اور سارا شہر اس کی لپیٹ میں آجاتا۔ اگر اس قسم کے امور کے لئے خفیہ قتل کا لفظ ہی استعمال ہو سکتا ہے تو ایسے خفیہ قتل مدینہ کی اندرونی حکومت کے استحکام کا ایک ضروری حصہ تھے۔ لہذا اگر آدمیوں کو مارا جاسکے تو بہتر یہی ہے کہ اسی طرح مارا جائے۔

تینوں قبائل کو جو سزائیں دی گئیں ان میں سے جن دو قبائل کو جلا وطنی کی سزا دی گئی تھی یہ بہت نرم تھی۔ وہ فسادی قسم کے لوگ تھے اور مدینہ کے لوگوں کو ہمیشہ تنگ کیا کرتے تھے۔ ایک بغاوت کے سلسلہ میں ایک لڑائی ہوئی جس کے نتیجہ میں ایک قبیلہ کو نکال دیا گیا اور دوسرے قبیلہ کو بھی گستاخی اور دشمن کے ساتھ راہ و رسم رکھنے اور رسول کریمؐ کی جان لینے کی سازش کے سلسلہ میں شہر بدر کر دیا گیا۔ دونو قبائل نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور انہوں نے ہر طرح سے یہ کوشش کی تھی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دین کا تمسخر اڑائیں اور تباہ کریں۔ سوال تو صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کیا سزا ان کے جرائم کے لحاظ سے بہت نرم تو نہ تھی؟

تیسرے قبیلہ کی سزا کو ایک مثالی سزا بتایا گیا تھا۔ لیکن یہ سزا بھی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نہیں بلکہ ایک ثالث نے جو یہودیوں نے خود مقرر کیا تھا تجویز کی تھی۔ جب قریش اور ان کے اتحادی مدینہ کا محاصرہ کر رہے تھے اور مدینہ کے دفاع کو تقریباً خطرہ میں ڈال چکے تھے۔ تو یہ یہودی قبیلہ محاصرین کے ساتھ ساز باز کرنے لگا۔ اور یہ ساز باز صرف آپؐ کی حکمتِ عملی سے ناکام رہی۔ جب محاصرین واپس چلے گئے تو آپؐ نے یہودیوں سے اس رویّہ کی وضاحت چاہی۔ انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا۔ آخر وہ خود محصور ہو گئے اور مجبور ہو کر ہتھیار

ڈال دیئیے۔ تاہم آپؐ یہودیوں کے اصرار پر اس بات پر رضامند ہوئے کہ ایک ایسے قبیلہ میں سے جو یہودیوں سے راہ ورسم رکھتا تھا ایک آدمی مقرر کریں۔ جو ایک جج کی حیثیت سے ان کے لئے سزا تجویز کرے وہ آدمی ایک تند سپاہی تھا جو یہودیوں پر حملہ کے وقت زخمی ہوگیا تھا۔ اور وہ اسی زخم کی وجہ سے اسی روز فوت ہوگیا۔ اس آدمی نے یہ فیصلہ دیا کہ یہودیوں کے چھ سَو آدمی قتل کئے جائیں اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے۔ اس فیصلہ کی تعمیل اسی دن کر دی گئی۔

یہ ایک سخت اور خون آشام سزا تھی جو کہ اسی طرح کی تھی جو مذہبی (عیسائی) جرنیلوں نے فرانس کے جنوبی علاقہ کے خلافِ مذہب حرکات کرنے والوں کو دی تھی۔ یا عیسائیت کے پیوریٹن فرقہ نے اپنے عروج کے زمانہ میں جو سزائیں دوسروں کو دی تھیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان یہودیوں کا جُرم حکومت کے خلاف انتہائی غداری کا تھا جب کہ شہر کا محاصرہ ہو رہا تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے یہ پڑھا ہوا ہے کہ ولنگٹن جب کامیابی کے ساتھ واپس لوٹا تو کس طرح اس نے بھگوڑوں اور غداروں کو درختوں کے ساتھ لٹکا کر مروایا تھا۔ انہیں اس غدار قبیلہ کی اس مختصر سی سزا پہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔

جس وقت رسول کریمؐ کی فوقیت مدینہ کی ملی جُلی آبادی میں قائم ہو رہی تھی اس وقت ایک سخت جنگ آپؐ کے پُرانے دُکھ دینے والے قبیلہ قریش کے ساتھ ہو رہی تھی۔ اس جنگ کی تاریخ کے متعلق جو کہ قافلوں پر چھوٹے چھوٹے حملوں پر مشتمل تھی مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس جنگ کے دو اہم قابلِ ذکر امور بدر اور اُحد کی لڑائیاں ہیں۔ ان میں سے پہلی لڑائی میں مسلمانوں کی تعداد تین سَو (یعنی تین کے مقابلہ میں ایک) تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہیں فتح حاصل ہوئی۔ یہ سن ہجری کے دوسرے سال یا ۶۲۴ء کا واقعہ ہے۔ اُحد کی لڑائی میں اگرچہ ان کی تعداد اور دشمنوں کی تعداد میں وہی نسبت تھی جو کہ بدر میں تھی اور منافقین نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مسلمانوں کو نتیجۃً شکست ہوئی۔ یہ سن تین ہجری کا واقعہ ہے۔ دو سال بعد قریش اپنے معاونین کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور پندرہ دن اس کا محاصرہ کیا لیکن آپؐ کا دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے خندق کھود کر مقابلہ کرنے اور شہر کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے عزم نے تمام حملوں کو پسپا کر دیا۔ اور ایک سخت آندھی آجانے کی وجہ سے جس کے لئے مدینہ کی آب و ہوا مشہور ہے دشمن کو ناکام جانا پڑا۔ اگلے سال (۶ ہجری میں) قریش کے ساتھ دس سال تک کے لئے صلح کا معاہدہ کیا گیا۔ جس کی پابندی میں اگلے موسم بہار میں مندرجہ ذیل عجیب وغریب نظارہ دیکھنے میں آیا۔ یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی عمرہ بجا لائیں اور اس کے لئے قریش تین دن کے لئے مکہ کو خالی کر دیں۔ چنانچہ مارچ ۶۲۹ء میں دو ہزار مسلمان جن کی قیادت آپؐ اپنی مشہور سانڈنی القصواء پر سوار ہو کر کر رہے تھے۔ (یہ وہی اونٹنی تھی جس پر آپؐ مکہ سے ہجرت کے وقت سوار ہو کر گئے تھے) وادی مکہ میں داخل ہوئے اور فریضۂ حج ادا کیا جو کہ آج بھی مسلمان بجالاتے ہیں۔

یقیناً یہ ایک عجیب نظارہ تھا جو مکہ کی وادی میں رونما ہوا۔ دُنیا کی تاریخ میں اپنی قسم کا یہ واحد نظارہ تھا۔ آپ کا آبائی شہر تین یوم کے لئے خالی کر دیا گیا۔ کیا امیر اور کیا غریب سب اپنے اپنے گھروں کو خالی کر گئے تھے۔ اور وہ مسلمان جو کئی سال سے وطن سے دُور تھے ایک بڑی جماعت کی صورت میں اپنے مددگاروں کے ساتھ اپنے پُرانے گھروں میں دوبارہ داخل ہوئے اور اس مختصر عرصہ میں انہوں نے حج کی رسومات ادا کیں۔ اس اثناء میں اہلِ مکہ گرد و نواح کی بلند جگہوں اور ابو قبیس پہاڑ کی چوٹی

پرانے اپنے خیموں میں سے مسلمانوں کی حرکات و سکنات کو بغور دیکھ رہے تھے۔ رسول کریمؐ کی اقتدار میں تمام مسلمان کعبہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کر رہے تھے۔ اہل مکہ بڑی خواہش اور بڑے غور کے ساتھ دُور سے ان کو پہچاننے کی کوشش میں مصروف تھے کہ شاید ان میں ان کا کوئی رشتہ دار یا دوست ہو۔ یہ نظارہ ان تکالیف کے نتیجہ میں ظاہر ہوا تھا جن میں کہ اسلام نے جنم لیا تھا۔

جب یہ تین دن ختم ہوئے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی مدینہ کو واپس چلے گئے اور مکہ والے اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ اس حج اور مسلمانوں کے صبر و ضبط نے دشمنان اسلام کے دلوں کو بہت متاثر کیا۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہونے لگا اور قریش کے سرکردہ لوگ بھی اسلام کی طرف رجوع کرنے لگے۔ مدینہ کے گردونواح کے قبائل نے آپ کے پاس وفود بھیجنے شروع کر دیئے اور ہجرت کے آٹھویں سال یعنی (۶۳۰) میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا جب کہ قریش کے ایک فریق نے مسلمانوں کے ایک اتحادی قبیلہ پر حملہ کر کے صلح کے معاہدہ کو توڑ دیا۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) دس ہزار آدمیوں کی قیادت کرتے ہوئے مکہ کی طرف بڑھے اور اہل شہر نے جن کا دفاع بالکل کمزور تھا ہتھیار ڈال دیئے۔ اب آپ کے لئے موقع تھا کہ آپ انتقامی جذبہ کا مظاہرہ کر سکیں۔ آپ کے پرانے ایذا رساں آپ کے قدموں میں تھے۔ کیا آپ ان کو اب روند ڈالیں گے؟ ان کو ایذا دیں گے؟ اور ان سے اپنا سخت قسم کا انتقام لیں گے؟ یہ ایک ایسا موقع تھا جس میں انسان کی اصلی فطرت ظاہر ہو سکتی تھی۔ ان حالات میں ہمیں کیا توقع رکھنی چاہیئے؟

لیکن ہم یہ کیا دیکھتے ہیں؟ کیا گلیوں میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا؟ ان ہزاروں مقتولین کی لاشیں کیا ہوئیں؟ حقائق بڑے گراں ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنے دشمنوں پر عظیم الشان فتح کا دن آپ کا اپنے نفس پر فتح پانے کا بھی دن تھا۔ آپؐ نے قریش کو بڑی فراخدلی کے ساتھ اپنی تمام سابقہ طویل تکالیف کو بھلاتے ہوئے معاف کر دیا اور مکہ کی ساری آبادی کو عام معافی دیدی۔ آپؐ کی سزا کی فہرست میں صرف چار افراد تھے۔ جن کو انصاف کے تقاضا نے مجرم ثابت کیا تھا۔ آپؐ بحیثیت فاتح اس طور پر اپنے جانی دشمنوں کے شہر میں داخل ہوئے اور فوج بھی آپؐ کی تقلید میں امن اور سکون کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی۔ کسی گھر میں لُوٹ مار نہ ہوئی اور نہ ہی کسی عورت کی توہین کی گئی۔ صرف ایک چیز پر ہلاکت اور تباہی وارد ہوئی۔ وہ یہ کہ کعبہ میں داخل ہو کر آپؐ نے اپنے عصاء سے تین سو ساٹھ بتوں کی طرف ایک ایک کر کے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حق آ گیا ہے اور باطل ناکام ہو گیا ہے۔ ان الفاظ پر آپؐ کے ساتھی ہر بُت کو توڑ دیتے۔ اسی طرح مکہ کے گھروں اور گردونواح کے بتوں کو بھی توڑ دیا گیا۔ اس طور پر آپؐ اپنے وطن میں دوبارہ داخل ہوتے۔ دنیا کی فتوحات کی تاریخ میں یہ ایک بے مثال واقعہ ہے۔

فتح مکہ کے جلد بعد تمام عرب آپؐ کے ساتھ شامل ہو تا گیا۔ قارئین اسلام کے پھیلنے کی روئداد سے واقف ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کے تمام قبائل نے آپؐ کی سرداری کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اپنے سفیر آپؐ کے پاس بھجوائے۔ رسول کریمؐ نے اپنے مخصوص نڈر انداز میں مشرق کے بادشاہوں کے نام خطوط بھجوائے جن میں قیصر اور کسریٰ بھی شامل ہیں۔ اور کوئی بھی ان میں سے نہیں جانتا تھا کہ آپؐ کی دعوت جلد ہی دوہرائی جائے گی اور کتنی جلدی اسلام مضبوط قدموں کے ساتھ ان کے دروازوں پر دستک دینے لگے گا۔

آپؐ کی زندگی کا مقصد پورا ہو رہا تھا اور ہجرت کے دسویں سال یعنی اس روز سے جب کہ روح القدس نے آپؐ کو اپنے لوگوں میں تبلیغ کرنے کے لئے کہا تھا بیس سال

بعد آپؐ نے ایک دفعہ پھر اپنے مسکن مدینہ کو خیرباد کہا۔ تاکہ آپؐ حجۃ الوداع کے فریضہ کو بجالائیں۔

اور جب منیٰ کی وادی میں حج کے ارکان بجالائے گئے آپؐ نے لوگوں کے ایک جمّ غفیر کو جو چالیس ہزار زائرین پر مشتمل تھا یوں خطاب کیا :-

"اے لوگو! میری بات سنو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اِس سال کے بعد میں یہاں اس جگہ تمہارے ساتھ ہوں گا یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے لئے ورثہ میں حق مقرر کیا ہوا ہے لہٰذا ورثاء کے حقوق کو پامال کرنے والی وصیت جائز نہیں۔ بچّہ والدین کا ہے اور زانی کو سزا دی جائے گی۔

اے لوگو! تمہارے اپنی بیویوں پر حقوق ہیں اور ان کے تم پر حقوق ہیں۔ اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرو۔ اپنے غلاموں کو وہ کچھ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ اور انہیں وہ کپڑا پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اور اگر وہ کوئی قصور کریں جس کو تم معاف کرنے پر رضامند نہیں ہو تو انہیں دوسروں کے پاس فروخت کر دو۔ کیونکہ غلام اللہ کے بندے ہیں اور ان کو دُکھ دینا واجب نہیں۔

اے لوگو! میری بات سُنو اور اس کو سمجھ لو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے تم میں کوئی فرق نہیں۔ تم ایک برادری ہو۔

پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے آپؐ نے زور سے پکارا!

اے اللہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے اور اپنے مقصد کو پورا کر دیا ہے۔ (تمام لوگ پکار اُٹھے کہ ہاں یقیناً آپؐ نے ایسا کر دیا ہے) اے اللہ میں تیری مدد چاہتا ہوں۔ اے لوگو! اِس امر کے گواہ رہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں کے حق میں دُعا کی۔

تین ماہ کے بعد آپؐ وفات پا گئے۔ (اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون)

اس "صحرا کے خواب بین" کی شخصیت کا پورا پورا اندازہ لگانا ایک محال امر ہے۔ آپؐ میں اتنی لطافت اور بہادرانہ نزاکت تھی کہ ڈر لگتا ہے کہ آپ جیسی فطرت والوں کے لئے عزّت اور محبّت کے جو جذبات موجزن ہو جاتے ہیں کہیں غیر شعوری طور پر وہ تنقید کی آنکھوں کو چندھیا نہ دیں۔ وہ جو تنہا اپنے لوگوں کی نفرت برداشت کرتا رہا ہے۔ جو مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ سے واپس لینے میں کبھی پہل نہیں کیا کرتا تھا۔ بچّوں کا محبوب دوست جو کبھی بھی بچّوں کے پاس سے شفقت اور محبّت بھری مسکراہٹ کے بغیر (جو کہ آپؐ کا خاصہ تھا) نہیں گزرتا تھا۔ بے لوث دوستی کریمانہ فیاضی، بے خوف دلیری اور اُمید یہ تمام باتیں تنقید اور نکتہ چینی کو تعریف میں بدل دیتی ہیں۔

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مختصر سوانح عمری بیان کرتے ہوئے میں نے اختلافی مسائل سے اجتناب کیا ہے۔ ایک عام فہم طریق میں میں نے مستند علماء کی وہ رائے پیش کی ہے جو غیر جانبدارانہ دماغ پر اس قسم کا اثر چھوڑتی ہے۔ یورپین مصنفین نے آپؐ کی زندگی کے بہت سے واقعات کو بگاڑا اور انہیں غلط رنگ دیا ہے۔ لیکن حقائق کے ساتھ انہیں اتفاق ہے۔ اور وہی میں نے من و عن یہاں بیان کئے ہیں۔

مگر پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی زندگی میں بعض باتیں ایسی ہیں جن پر ایسے زوردار اعتراض کئے گئے ہیں جن کو بحث کئے بغیر ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ آپؐ پر ظلم، شہوت پرستی اور بے وفائی کا الزام لگایا جاتا ہے اور آپ کو خون کا پیاسا، عیّاش اور دغاباز کہا جاتا ہے۔

ظلم کا الزام تو قابلِ اعتبار ہی نہیں۔ میں اس سے قبل یہودیوں کی سزا کے ضمن میں جس پر کہ اس الزام کی بنیاد ہے بہت کچھ کہہ چکا ہوں۔ بدر کی لڑائی کے جنگی قیدیوں سے آپؐ کا سلوک مدینہ میں دشمنوں کے بارہ میں صبر آزما ہدایا ری

اپنے لوگوں سے شرافت کا برتاؤ، بچوں اور بے زبان حیوانات پر آپؐ کی شفقت اور سب سے بڑھ کر آپؐ کا مکہ میں تاخت و تاراج اور قتل و غارت کے بغیر داخلہ اور ان لوگوں کو جو آپؐ کے جانی دشمن تھے اور اٹھارہ سال تک آپؐ کو مختلف ذرائع سے تنگ کرنے کے بعد آپؐ کے ساتھ کھلم کھلا جنگیں کر چکے تھے معاف کر دینا یہ سب امور بتاتے ہیں کہ آپؐ کی فطرت میں ظلم کا مادہ ہرگز نہیں تھا۔

اور یہ کہنا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یا کوئی اور عرب ایک عام یورپین آدمی سے زیادہ جذباتی ہے صرف ایک پرانے محاورہ کہ گرم علاقے کے باشندوں کے جذبات سرد علاقوں کے باشندوں کی طرح نہیں، کی تائید کرتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ آپؐ عیاش تھے سراسر افترا ہے۔ آخر دم تک آپؐ کی نہایت سادہ اور پابند اور باقاعدہ زندگی، آپؐ کے سونے کے لئے سخت چٹائی، آپؐ کی سادہ خوراک، آپؐ کا چھوٹے چھوٹے کام خود کر لینا آپؐ کو ایک تارک الدنیا کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے نہ کہ عیاش کی حیثیت سے۔

آپؐ دو چیزوں سے یقیناً محبت کرتے تھے خوشبوئیں اور عورتیں۔ پہلی چیز ایک بے ضرر چیز ہے اور دوسری کے لئے آپؐ کی بیویوں کی اچھی خاصی تعداد پورا پورا جواب ہے۔ ان بیویوں کے متعلق بھی (معترضین کی طرف سے) بہت کچھ کہا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت افسوسناک امر ہے کہ عیسائی کہلانے والے مصنفین آپؐ کی گھریلو زندگی کے متعلق کہانیاں عام سماجی اخبار نویسوں کے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ بے شک یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو چار بیویاں کرنے کی اجازت دی وہاں آپؐ نے (ساری عمر میں) درجن سے زیادہ شادیاں کیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنی بے پناہ قوت کی موجودگی میں آپؐ نے ایک تھوڑی سی تعداد پر اکتفاء کی۔ جب کہ آپؐ کے جانشینوں میں سے بعض کے حرم میں اس سے بھی زیادہ بیویاں تھیں۔ نیز یہ کہ آپؐ نے کسی بھی بیوی کو طلاق نہ دی اور ایک کے سوا تمام کی تمام بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ اور ان میں سے ایک کا مزاج اس قدر سخت تھا کہ ابوبکرؓ اور عثمانؓ آپؐ کے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے قبل اس کے ساتھ نکاح کی پیشکش کو ٹھکرا چکے تھے۔ اس کے ساتھ نباہ کرنا تجاوز حدود نہیں کہلا سکتا۔ غالباً ان میں سے اکثر شادیاں صرف اس خیال سے کی گئی تھیں کہ ایسی عورتیں جن کے خاوند لڑائی میں مارے گئے تھے اور جو بے کسی کی حالت میں رہ گئی تھیں ایسے شخص کے کریمانہ برتاؤ کی مستحق تھیں۔ جس نے اس لڑائی میں ان کے خاوندوں کو بھجوایا تھا۔ کچھ شادیاں حکمت عملی کے ماتحت کی گئی تھیں تاکہ حریف گروہوں کو ایک رشتہ میں جوڑ دیا جائے۔ یہ ایک بلند مقصد معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن ہمیں ایک ایسے آدمی سے روحانی خیالات کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے جو کہ عورت کو ایک ٹیڑھی پسلی سمجھتا تھا اور جس کا طریق معاشقہ کی شادی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ آپ کا شادیاں کرنا یقیناً شہوانی مقصد نہیں کہلا سکتا شاید آپؐ کا پے در پے شادیاں کرنا صرف نرینہ اولاد کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے تھا۔ یہ ایک طبعی خواہش تھی کہ آپؐ کا کوئی بیٹا ہو جو آپؐ کے نقش قدم پر چلے اور آپؐ کے کام کو جاری رکھے۔ لیکن یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ آپؐ کے بیٹے چھوٹی عمر میں وفات پا گئے۔ اور اس ضمن میں سب سے بڑی دلیل آپؐ کی اپنی پہلی بیوی سے وفادارانہ محبت ہے۔ جب آپؐ اوائل جوانی کی عمر میں تھے آپؐ نے خدیجہؓ سے شادی کی جو آپؐ سے پندرہ سال عمر میں بڑی تھی۔ (اور یاد رہے

کہ مشرق میں عورت جلد عمر رسیدہ نظر آنے لگتی ہے۔) پچیس سال تک آپؐ اپنے سے بڑی عمر والی بیوی کے ساتھ وفاداری کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ اور جب وہ پینسٹھ سال کی ہوئی (اور آپؐ اس وقت سلور جوبلی منا سکتے تھے) تو پھر بھی آپؐ اس کے ساتھ اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی کہ اس کے ساتھ شادی کے وقت۔ اس تمام عرصہ میں ان کے درمیان کوئی کشیدگی پیدا نہ ہوئی۔ اور اس بات کے متعلق ہر قسم کی چھان بین کی جا سکتی ہے۔ پھر خدیجہؓ وفات پا گئیں اور اس کے بعد اگرچہ آپؐ نے متعدد شادیاں کیں جو جوانی اور خوبصورتی کی دولت سے مالا مال تھیں۔ مگر آپؐ اپنی پہلی مرحومہ بیوی کو کبھی نہ بھولے اور آخری دم تک اس سے محبت کرتے رہے۔ آپؐ یہ کہا کرتے تھے کہ میں غریب تھا اس نے مجھے امیر کر دیا۔ لوگ مجھے مفتری کہتے تھے اور وہ اکیلی میرا ساتھ دیتی رہی۔ ایک وفات یافتہ بوڑھی عورت کی محبت بھری یاد قائم رکھنا شریفانہ فطرت والے ہی کا کام ہے۔ اور یہ چیز ایک عیاش میں نہیں پائی جاتی۔

بعض معترضین نے آپؐ کی (حضرت) خدیجہؓ کے ساتھ وفاداری کی یہ وجہ بتائی ہے کہ آپؐ کو اس سے مالی فائدہ تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ آپؐ غریب تھے اور خدیجہؓ امیر اور سرکردہ لوگوں کی رشتہ دار تھی۔ آپؐ کی طرف سے کسی بھی کوتاہی کے نتیجہ میں طلاق ہو جاتی اور اس طرح آپؐ کے مال اور وقار کو ٹھیس لگتی۔ یہ کہنے کی غالباً کوئی ضرورت نہیں کہ غربت جو عرب میں ایک معمولی چیز تھی کسی پچیس سالہ جذبات کے تابع نوجوان آدمی کو کبھی بھی اس سے نہ روک سکتی تھی۔ خاص طور پر یہ بات اس لئے بھی قابل قبول نہیں کہ خدیجہؓ جو آپؐ پر دل و جان سے فدا تھی کسی وجہ سے طلاق لینے کے لئے تیار نہ ہو سکتی تھی۔ معترضین کا یہ گروہ بیان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اپنی مرحومہ رفیقۂ حیات کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری دم تک کی غیر معمولی محبت کے بارے میں کوئی وضاحت پیش نہیں کر سکتا۔ اگر اپنی بیوی کی دولت نے آپؐ کو پچیس ۲۵ سال تک روکے رکھا تھا تو یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ بیوی کی وفات پر آپؐ اپنے رسمی سلوک کو خیر باد کہتے اور خدا کا شکر ادا کرتے کہ انہیں نجات مل گئی ہے۔ اور فوراً اپنی جذباتی تسکین کے لئے سامان کرتے۔ آپؐ نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔

معترضین کے پاس آپؐ کے غلام زیدؓ کی مطلقہ بیوی کا واقعہ آپؐ پر الزام لگانے کا ایک عمدہ ہتھیار ہے۔ یہ اعتراض ایسا نہیں کہ اس کے متعلق یہاں کچھ کہا جائے۔ لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ خود زینبؓ کا اس معاملہ میں جو حصہ ہے اس کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاتا۔ زیدؓ یقیناً اس امر پر بہت خوش تھا کہ اسے ایسی بیوی سے نجات ملی ہے جو خاندانی وجاہت کے لحاظ سے اس سے کہیں بالا تھی۔ اور یقیناً اسے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خلاف کوئی ناراضگی نہ تھی۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ جب آپؐ نے یہ کہا تھا کہ آپؐ کو اللہ تعالےٰ نے چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی ہے تو کیا آپؐ اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ آپؐ خدائی کلمات بول رہے ہیں۔ یہ سوال انسانی ضمیر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور ہر ایک کو اس کا جواب اپنے ضمیر سے دریافت کر کے خود دینا چاہیئے۔ اس بات کی تعیین کہ کوئی شخص کتنی باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے ممکن نہیں۔ آجکل کے

زمانہ میں ایسے آدمی ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ مگر آپؐ کے زمانہ میں تو ایسے آدمی پائے جاتے تھے جو اپنے نفس کے متعلق یقین رکھتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں ہمیں کسی دوست کی جو ہمیں ہماری کمزوریاں گنوائے ضرورت نہیں۔ اُس زمانے میں سینکڑوں آدمی ایسے تھے جو کہ آپ جیسے شخص کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر سکتے تھے کہ وہ خدا ہے۔ یہ ایک حیران کن امر ہے کہ اتنی ترغیبوں کے باوجود آپؐ کس قدر انکسار پسند تھے۔ اور کس طرح آپؐ نے ان خدائی صفات سے جو کہ لوگ آپؐ کی طرف منسوب کرتے تھے اپنے آپؐ کو مبرّا اور منزّہ رکھا۔ آپؐ کی تمام زندگی صداقت اور وفاشعاری کی ایک طویل دلیل ہے۔ آپؐ کے پاس ان لوگوں کے لئے جو آپؐ کو معبود کا درجہ دیتے تھے صرف ایک جواب تھا "مَیں کوئی فوق البشر چیز نہیں ہوں۔ مَیں ایک عام انسان ہوں"۔ عائشہؓ نے پوچھا کیا کوئی بھی اللہ کے فضل اور رحم کے بغیر جنّت میں نہیں جائے گا؟ تو آپؐ نے اس کے جواب میں تین دفعہ "نہیں" کہا۔ عائشہؓ نے پھر پوچھا کہ کیا اتنی نیکی کے باوجود آپؐ بھی اپنے اعمال کے زور سے جنّت میں نہیں جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مَیں بھی جب تک کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کی چادر مجھے نہ ڈھانپے جنّت میں نہیں جا سکونگا۔

سوائے ایک بات کے آپؐ عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ اور وہ امتیاز بھی آپؐ کو مغرور نہیں بلکہ مزید حلیم بناتا تھا اور آپؐ پر آپؐ کی کمزوریاں واضح کرتا تھا۔ آپؐ اس خاص امتیاز کے متعلق کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں بہت پُر از یقین رہا کرتے تھے۔ اور آپؐ اس پر بھی یقین رکھتے تھے کہ وہ الفاظ جو آپؐ لوگوں کو عمل کے لیے بتاتے ہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے تھے۔ آپؐ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ آپؐ کو خدا نے ایک خاص مقصد کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے۔ اور اس امر میں کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ آپؐ میں نزولِ الہام کے وقت ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جسے آپؐ روح القدس کا اثر مانتے تھے۔ آپؐ سمجھتے تھے کہ آپؐ ایک غیبی آواز سنتے ہیں جو آپؐ کے لئے ایک حقیقی اور سنائی دینے والی آواز تھی۔ اس آواز سے آپؐ پر خوف طاری ہو جاتا۔ اور آپؐ بے خود ہو جایا کرتے۔ اس کے بعد آپؐ ہوش میں آتے اور دلیرانہ اور باوقار باتیں کرتے۔ اللہ کا آلۂ کار بن جانے کی وجہ سے آپؐ اپنی انفرادیت کھو چکے تھے۔ آپؐ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ آپؐ کے مُنہ سے خدا بول رہا ہے۔ آپؐ الہامی الفاظ کے متعلق سوال پوچھنے کی جرأت نہیں کرتے تھے مبادا اس میں پیغام دینے والے کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ پیدا ہو جائے۔ اور یہ امر گستاخی میں شمار ہو۔

ایک مدبّر کی حیثیت میں بھی آپؐ اتنے ہی عظیم الشان تھے جتنے کہ حق و صداقت کے مبلّغ کی حیثیت سے۔ آپؐ کے الہامات میں اب زمینی امور (کی اصلاح) کا ذکر تھا جبکہ ابتدا میں آپؐ آسمانی امور کے متعلق باتیں کرتے تھے۔ اور جس طرح آپؐ ایک خدا کی پرستش کے بارے میں حکم دیتے تھے اسی طرح اب مدبّر کی حیثیت میں چھوٹے چھوٹے تمدنی امور کے متعلق، عام نظامِ زندگی کے متعلق، حُرمت و حلّت کے متعلق، اسی تحدّی کے ساتھ الٰہی احکام صادر کرتے۔ آپؐ قوم پر بادشاہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ نبی کی حیثیت سے حکومت کرتے تھے۔ اور نبی کی حیثیت سے آپؐ کے احکام کی تصدیق اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتی تھی۔ آپؐ جانتے تھے کہ انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے

شعبوں کی تنظیم کے لئے بھی آپؐ کو وضاحت کرنی چاہیئے۔ آپؐ بلا خوف تردید فرمایا کرتے تھے کہ یہ چھوٹے چھوٹے امور بھی الٰہی احکام کے ماتحت بتائے جاتے ہیں۔

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق وعادات کا (یورپین مصنّفین نے) صحیح اندازہ نہیں کیا۔ آپؐ ایک ترقی کے خواہاں سازشی انسان (جیسا کہ بعض معترضین آپؐ کو سمجھتے ہیں) نہیں تھے۔ اور نہ ہی آپؐ ریاکار اور مفتری تھے۔ آپؐ ایک سرگرم مبلغ تھے۔ آپؐ کی سرگرمی اور انہماک نہایت قابلِ تعریف ہے اور یہی وہ جوہر ہے جو انسانی قویٰ کو مضمحل ہونے سے بچاتا ہے۔ سرگرمی اور انہماک کو بعض اوقات غلطی سے مذموم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ آپؐ میں سرگرمی اور جوش صرف دنیا کی اصلاح کے لئے تھا۔ جس کے بغیر یہ اصلاح نہیں ہو سکتی تھی۔ آپؐ ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنہیں حق و سچائی کی اشاعت اپنا مقصدِ زندگی بنانا نصیب ہؤا۔ آپؐ واحد اور یگانہ خدا کے رسول تھے اور آپؐ اس امر کو آخری دم تک نہ بھولے۔ آپؐ یہ بشارت بڑے وقار کے ساتھ اپنے لوگوں کے پاس لائے۔ اور آپ کا یہ وقار اور اطمینان آپؐ کے اعلیٰ رتبہ اور حلیم الطبع ہونے کی وجہ سے تھا۔ کارلائل نے درست طور پر آپؐ کو انبیاء میں سے ہیرو قرار دیا ہے۔ اور بھی ہستیاں گذری ہیں جن کے سامنے بلند مقاصد تھے مگر کسی نے بھی اپنے مقصد پر آپؐ کی مانند اس قدر یقین نہیں رکھا۔ اور نہ ہی اس ہمت اور بہادری کے ساتھ اس کی تکمیل کی ہے۔

اطالوی مستشرقہ ڈاکٹر واگلیری کا خراجِ تحسین

"جذبۂ نفرت سے اندھے ہو کر اسلام کے طاقتور دشمنوں نے کوشش کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ پر ناپاک الزامات لگائیں۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ دعویٰ رسالت سے پہلے آپکے ہم وطن آپکی پاکباز زندگی اور دیانتداری کے معترف تھے۔ یہ لوگ نہیں سوچتے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) خود جھوٹے تھے تو منافقوں اور جھوٹوں کو پرغضب قرآنی الفاظ میں ابدی جہنم سے کیونکر ڈرا سکتے تھے۔

آپکی طبیعت میں سادگی تھی پس کیونکر ممکن ہے کہ آپکے ہموطن تو آپکی تذلیل کے درپے ہوں اور آپ تبلیغ کرنے پر کمربستہ ہوں اس دلیری کا اصلی سبب اگر یہ نہ تھا کہ آپکی باطنی قوتیں آپکو تبلیغ کرنے پر مجبور کرتی تھیں تو اور کیا تھا؟ آپ ایک ایسے مقابلے کو کیونکر شروع کر سکتے تھے جو بظاہر مایوس کن تھا۔ اور اگر آپکو اپنی رسالت پر کامل یقین نہ تھا تو آپ اس مقابلے کو دس سال تک مکے کے اندر بےشمار مصیبتوں اور حقیر کامیابی کے ساتھ کیونکر جاری رکھ سکتے تھے اور اگر لوگ آپکے پیغام کے خلوص اور صدق سے متاثر نہ ہوئے تھے تو کیسے ممکن تھا۔ کہ بہت سے دانا اور شریف النفس آدمی آپؐ پر ایمان لے آئیں اور ہر حال میں آپکا ساتھ دیں۔ اور نئے مذہب کو مان کر ایسے معاشرے میں داخل ہو جائیں جس میں اکثر غلام یا آزاد شدہ غلام یا نادار اور غریب لوگ شامل تھے۔ ہم اس کلام کو طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ مغربی محققین بھی اس صداقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سچے اور گہرے اخلاص سے بھرپور تھا۔"

(اسلام پر ایک نظر ص $\frac{15}{16}$)

سلام بحضور سیّد الانامؐ

(نتیجۂ جذباتِ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ)

بدرگاہِ ذی شان خیر الانام شفیع الوریٰ۔ مرجعِ خاص و عام
بصد عجز و منّت۔ بصد احترام یہ کرتا ہے عرض آپ کا یہ غلام
کہ اے شاہِ کونین عالی مقام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

حسینانِ عالم ہوئے شرمگیں جو دیکھا وہ حُسن اور وہ نورِ جبیں
پھر اس پر وہ اخلاق اکمل تریں کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خُلقِ کامل۔ زہے حُسنِ تام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

خلائق کے دل تھے یقیں سے تہی بُتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دُنیا پہ وہ چھا رہی کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہُوا آپؐ کے دم سے اس کا قیام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

محبّت سے گھائل کیا آپؐ نے　　دلائل سے قائل کیا آپؐ نے
جہالت کو زائل کیا آپؐ نے　　شریعت کو کامل کیا آپؐ نے
بیاں کر دیئے سب حلال اور حرام
عَلَیْكَ الصَّلوٰةُ عَلَیْكَ السَّلَام

نبوّت کے تھے جس قدر بھی کمال　　وہ سب جمع ہیں آپؐ میں لامحال
صفاتِ جمال اور صفاتِ جلال　　ہر اک رنگ ہے بس عدیم المثال
لیا ظلم کا عفو سے انتقام
عَلَیْكَ الصَّلوٰةُ عَلَیْكَ السَّلَام

مقدّس حیات اور مطہّر مذاق　　اطاعت میں یکتا عبادت میں طاق
سوارِ جہانگیر یکراں بُراق　　کہ بگذشت از قصرِ نیلی رواق
محمدؐ ہی نام اور محمّد ہی کام
عَلَیْكَ الصَّلوٰةُ عَلَیْكَ السَّلَام

علمدارِ عُشّاقِ ذاتِ یگاںؒ　　سپہدارِ افواجِ قدّوسیاںؒ
معارف کا اِک قلزمِ بیکراں　　افاضات میں زندۂ جاوداں
پلا ساقیا آبِ کوثر کا جام
عَلَیْكَ الصَّلوٰةُ عَلَیْكَ السَّلَام

——(آمین)——